www.urducouncil.nic.in

G20 भारत 2023 INDIA

نومبر 2023 ، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔ یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہو سکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	مضامین	
قوتِ فیصلہ	سیدہ نوشاد بیگم محمود	07
حسد :ایک مہلک بیماری	ابن سراج قاسمی	10
تعلیم وتربیت اور بچوں کی نفسیات	عبدالرحمن شافی	13
	نظمیں	
میرے بچو!	کوثر صدیقی	17
پہلا انعام	رفیع انصاری	18
آرہا ہے امتحاں	محمد اسداللہ	19
دیش کے لیے	مدثر عمر کیفی	19
سنگھاڑا	شاہد جمیل	20
اسکول آنا جانا	رونق خلیقی	21
اسکول میں	عطا عابدی	22
میری پیاری گھوڑا گاڑی	وسیم احمد نگرامی	23
تتلی اور بچہ	حلیم طاہر	24
ٹیڈی بیئر	پرویز مانوس	25
رنگ برنگے جوتے چپل	جاوید رانا	26
بچپن	اشتیاق احمد راشد	27
بات	شاد اعظمی ندوی	28
چاند بی بی	مصباح انصاری	29
مٹھو میاں	فریدہ انجم	30
	انٹرویو	
بچوں کو مادری زبان میں تعلیم دی جائے	ناظمہ پروین	31
	کہانیاں	
اردو زبان کا جادو	حلیمہ فردوس	34
خمیازہ	محمد طارق	37
مولانا آزاد کی کہانی	محمد الیاس	40
انوکھے دوست	خان حسنین عاقب	43
آپ کا حکم سر آنکھوں پر	فرزانہ اسد	45
دس روپے کا سکہ	تاج الدین محمد	47
ایک معصوم سوال	ثنا اسد	50
	یادگر	
جادوئی چراغ	آفتاب حسنین	52
	بچوں کا کتب خانہ	
سوڈان کی مزے دار کہانیاں/محمد امین	محمد اکرام	54
	سائنس نامہ	
ہرگوبند کھرانہ	احرار حسین	57
	واقفیت عامہ	
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	59
	ننھے فنکار	
پینٹنگ		60

بچوں کی دنیا

جلد: 11 شمارہ: 11 نومبر 2023

مدیر : پروفیسر دھننجے سنگھ

نائب مدیر : عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ تعلیم، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10روپے، سالانہ/100روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746
ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194

پیارے بچو! دنیا میں بہت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جنھوں نے اپنے فکر و عمل سے انقلاب برپا کیا جس کی وجہ سے رہتی دنیا تک ان کا نام تاریخ کے اوراق میں درج ہوگیا، مہاتما گاندھی، سر سید احمد خاں، لالہ لاجپت رائے، مدر ٹریسا، نیلسن منڈیلا، ابراہم لنکن اور ساوتری بائی پھولے کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا اور درسی کتابوں میں ان کے متعلق پڑھا بھی ہوگا۔ ان ہستیوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے پریشانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرتے ہوئے اپنے آپ کو ایک مضبوط انسان بنایا اور مختلف

میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ لیکن کبھی یہ بھی آپ کی طرح بچے رہے ہوں گے، کھیل کود اور شوخیاں شرارتیں ان میں بھی رہی ہوں گی، آج آپ روزمرہ کی زندگی جس طرح گذار رہے ہیں کبھی وہ بھی ایسی ہی زندگی بسر کرتے رہے ہوں گے، لیکن ان سب کا واضح نصب العین تھا کہ تعلیم پر پوری توجہ دی جائے، وقت کا صحیح استعمال کیا جائے اور کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے سماج اور معاشرے میں مثبت تبدیلی آئے۔ اس طرح کی اور بھی ایسی شخصیات ہیں جنھیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کے باوجود ان لوگوں نے اپنی محنت، ہمت اور حوصلے سے ایسے ایسے اہم کارنامے کیے جس کی وجہ سے پوری دنیا کے لیے مثال بن گئے۔

بچو! درسی کتب میں آپ نے جن شخصیات کو پڑھا ہے اس کے علاوہ بھی آپ اساتذہ کی مدد سے دیگر قابل قدر شخصیات کو پڑھیں، بڑوں کے بچپن پر کئی کتابیں تحریر کی گئی ہیں، خاص طور پر مائل خیرآبادی اور ڈاکٹر مسز افتخار بیگم صدیقی کی لکھی ہوئی کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں، بڑوں کے کام کرنے کے انداز کو دیکھیں، انھوں نے وقت کا کس طرح استعمال کیا ہے اس پر بھی غور کریں، ذرا تصور کیجیے اگر انھوں نے برائیوں کو دور کرنے اور تعلیم کو عام کرنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو آج ہمارا معاشرہ کن مسائل سے دوچار ہوتا، ان شخصیات کے مطالعے سے آپ کے اندر بھی ان جیسا بننے کی چاہ پیدا ہوگی، کہ کس طرح انھوں نے سماج اور معاشرے سے بہت سی برائیوں، ذات پات، رنگ و نسل کو ختم کیا اور بہت سے فرسودہ اور تکلیف دہ رسم و رواج کو بدلا، اس کے لیے ان لوگوں کو بڑی قیمت چکانی پڑی، لوگ ان کے مخالف ہوگئے، ان کو برا بھلا کہنے لگے، لیکن چونکہ یہ اپنے ارادے کے پکے تھے اور انھیں اپنے مشن اور اپنی محنت پر مکمل یقین تھا اس لیے یہ لوگ اپنے اپنے میدان میں کامیاب ہوئے۔

پیارے بچو! نومبر کے مہینے کو یوم اطفال کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، یوم اطفال یعنی بچوں کا دن، اس دن کی مناسبت سے اس شمارے میں ایک بہت ہی پیاری نظم شامل کی گئی ہے، اس کے علاوہ قوت فیصلہ کے عنوان سے ایک بہترین مضمون بھی شامل ہے اسے آپ ضرور پڑھیں، اس لیے کہ زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہماری قوت فیصلہ اہم کردار ادا کرتی ہے اور بھی کئی نظمیں، کہانیاں اور مضامین آپ کو پسند آئیں گی، آپ اسے بھی ضرور پڑھیں اور اپنے ذوق کے مطابق ابھی سے کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش بھی کریں، آج کی یہی کوشش آپ کو آگے چل کر ایک اچھا تخلیق کار بننے میں معاون ثابت ہوگی۔

آپ کا

پروفیسر دھننجے سنگھ

ڈاک خانہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ستمبر 2023 باصرہ نواز ہوا۔ سرورق پر ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن کی تصویر دیکھ کر 'یوم اساتذہ' کی یاد تازہ ہوگئی۔ اداریہ بہت پسند آیا۔ اس میں اساتذہ کی عظمت اور تعلیم کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس شمارے میں 'یومِ اساتذہ' کے تعلق سے کئی مضامین اور اچھی نظمیں ہیں۔

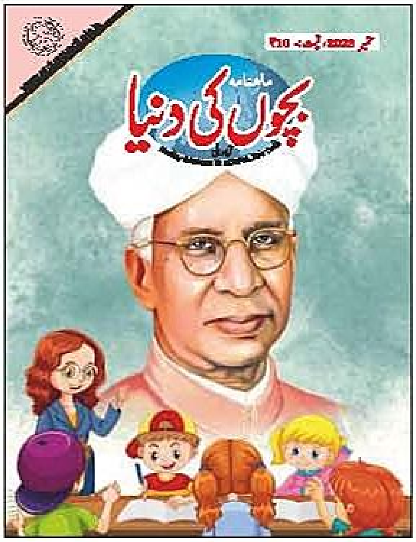

رازدان شاہد کا مضمون 'اساتذہ: علم کے روشن مینار' خوب ہے۔ انھوں نے مضمون کے نصف اول میں اساتذہ کی عظمت وتقدس اور اہمیت کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے اور نصف آخر میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ایک کامیاب اور آئیڈیل استاد کو کیسا ہونا چاہیے اور اپنے طالب علموں سے کس قدر محبت اور شفقت سے پیش آنا چاہیے۔

شیریں نیازی کی کہانی 'لالی کا شیرو' بہت پسند آئی۔ کہانی جتنی اچھی ہے اس سے زیادہ اچھا ان کے لکھنے کا انداز ہے۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت اور ٹھوس جملے ان کی تخلیق میں حسن پیدا کرتے ہیں۔ عقیل الرحمٰن کا مضمون 'کیڑوں اور پرندوں کے فائدے' معلوماتی ہے۔ انیس الحسن صدیقی نے اپنے مضمون میں چندریان سوم کے متعلق لکھا ہے کہ اس تیسرے مشن میں ہندوستان ضرور کامیاب ہوگا۔ واقعی ہندوستان اپنے مشن میں کامیاب ہو چکا ہے۔ پوری دنیا میں اپنے ملک کا نام فخر سے اونچا ہوگیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگلے شمارے میں وکرم لینڈر اور پرگیان روور کے کارناموں سے متعلق تفصیلاتی معلومات شائع ہوں گی۔ تجسس برقرار ہے۔ دیگر مشمولات بھی لائقِ تحسین ہیں۔

محمد وزیر عالم، رکسول، سرحد نیپال، بہار

'بچوں کی دنیا' اگست 2023 کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ نظم کی اشاعت کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔ زیر نظر شمارے میں نعیمہ جعفری کی تحریر 'ساز وسامان' معلوماتی اور دلچسپی سے بھرپور ہے۔ کہانیوں میں اسد رضا، شہاب افسر خان اور افتخار انیس حمیدی نے کافی متاثر کیا۔ نظموں کا حصہ بھی بے حد خوبصورت اور دلکش ہے۔ دیگر مشمولات بھی لائقِ ستائش ہیں۔ ذاتی مصروفیات کے باعث زیادہ لکھنے سے قاصر ہوں۔

مصباح الدین طارق، اردو مڈل اسکول نرکٹیا، ڈاکخانہ ہتھیار، وڈیا بودھ گیا، بہار

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا ستمبر 2023 نظر نواز ہوا۔ اس شمارے میں ڈاک خانہ قارئین پہلے پڑھ کر اچھا لگا۔ یوم مدرس اور ڈاکٹر رادھا کرشنن معلم وفلسفی بہت خوب ہے۔ ہمارے

ضلع پریشد اردو اسکول ہاشم پور، جلگاؤں جامود، مہاراشٹر

استاد بھی بہت اچھا مضمون ہے، بے حد پسند آیا۔ اساتذہ علم کے روشن مینار رازدان شاہد کا عمدہ اور معلوماتی مضمون ہے۔ آب و ہوا میں تبدیلی اور سیلاب کے اثرات بھی فائدہ مند ہے۔ جنگلات کے کاٹنے سے سیلاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ملک میں جنگلات کے تحفظ کے لیے قانون ہیں مگر زمینی سطح پر قانون پر عمل نہیں ہوتا۔ اس پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ بچوں کو کیریئر گائیڈنس کالم ضرور پڑھنا چاہیے، ٹپکہ کہانی کشمیری لوک کہانی ہے، بچپن میں کئی بار سنی ہے۔ مذکر اور مینا بھی اچھی کہانی ہے۔ کیڑوں اور پرندوں کے فائدے کے مطالعے سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ جنرل نالج شائع کرنے کے لیے شکریہ، فخر ہندوستان خلائی جہاز بھی اچھا لگا۔

عبدالمجید مکرو، اروانی، کلگام، جموں و کشمیر

رسالہ 'بچوں کی دنیا' ہم بچوں کے لیے بہت اچھا ہے۔ اچھی اچھی نظمیں اور کہانیاں پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ شروع میں، ارشد میناگری کی نظم، نایاب حسن کا صاحب مضمون پھر اس کے بعد محمد عادل صاحب کی نظم، چاند پر جو اترا ہے... بہت اچھی لگی۔ جس دن چندریان چاند پر اترا تھا ہم سب بھائی بہن موبائل کی اسکرین پر بہت شوق سے دیکھ رہے تھے۔ میری بڑی بہن نے کہا کہ ابو ہم بھی چاند پر جائیں گے۔ تو ابو نے کہا کہ بیٹا محنت سے پڑھ تو ضرور جاؤ گی۔

اس کے علاوہ 'آدم خور کہانی' پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ اس کے علاوہ وقت کا صحیح استعمال، سائنس کیا ہے، اخلاقیات کے مقاصد وغیرہ اچھے مضمون ہیں۔ پانی کی کہانی، گھی اور شکر، اپنے گھر میں شجر لگانا ہے، بچے، ڈانٹ، ڈپٹ، شیر کی خالہ، ماں، اچھی نظمیں ہیں۔ اس کے علاوہ سائنس سے متعلق اور دوسری کہانیاں بہت اچھی ہیں۔

سارہ قندیل، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی

قوتِ فیصلہ

سیدہ نوشابہ بیگم محمود

بچو! ایک کہانی آپ نے سنی ہوگی اور شاید کہ نہ بھی سنی ہو لیکن میں آپ کو سناتی ہوں۔ بہت دلچسپ اور درس آمیز کہانی ہے۔ ایک بوڑھا شخص اور اُس کا جوان بیٹا ایک گدھے کو لے کر پڑوس کے گاؤں میں جا رہے تھے۔ جب ان کا گزر ایک چھوٹے سے گاؤں سے ہوا تب لوگوں نے انھیں دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ کیا احمق انسان ہے۔ گدھا ان کے پاس ہے لیکن وہ اس پر سواری نہیں کر رہے پیدل جا رہے ہیں۔ بوڑھے شخص نے اپنے بیٹے سے کہا تم اس گدھے پر بیٹھ جاؤ۔

جب وہ دوسرے گاؤں سے گزر رہے تھے تب لوگوں نے ان کی جانب دیکھا اور ہنس کر کہا۔ اس لڑکے کو بالکل عقل نہیں ہے بے چارہ بوڑھا باپ پیدل چل رہا ہے اور بیٹا بڑے آرام سے گدھے پر بیٹھ کر سفر کر رہا ہے۔ تب بیٹا گدھے سے نیچے اُتر گیا اور بوڑھا باپ گدھے پر بیٹھ گیا۔

جب وہ دوسرے شہر میں داخل ہوئے۔ تب لوگ اُن کی جانب دیکھ کر ہنسنے لگے اور کہا کیسا بے رحم باپ ہے۔ بے چارہ بیٹا پیدل چل رہا ہے اور باپ بڑے مزے سے گدھے پر سواری کر رہا ہے۔ تب باپ نے بیٹے سے کہا تم بھی گدھے پر بیٹھ جاؤ اب گدھا ان دونوں کو لاد کر چلنے لگا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہاں انسانوں کی ایک ٹولی کھڑی تھی۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے یہ باپ بیٹے تو اُس غریب جانور کی جان ہی لے لیں گے اُنھیں غریب جانور پر بالکل رحم نہیں آ رہا ہے۔

اب وہ باپ بیٹے بہت پریشان ہوگئے۔ کیا فیصلہ کریں اور کیا نہ کریں۔ لوگ تو گدھے پر بیٹھنے بھی نہیں دے رہے اور پیدل بھی نہیں چلنے دے رہے ہیں۔ تو بچو! زندگی میں ہم کبھی غلط فیصلہ کر بیٹھتے ہیں۔ جس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑتا ہے اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کئی ایسے موڑ آتے ہیں جہاں ہمیں صحیح فیصلہ لینا ہوتا ہے ایک غلط فیصلہ ہمارا وقت، پیسے اور زندگی خراب کرسکتا ہے۔ اس لیے ہر انسانی زندگی میں صحیح فیصلے کی یا قوتِ فیصلے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہماری قوتِ

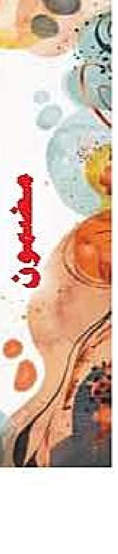

فیصلہ بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ہمیں دانشوروں سے مشورہ تو ضرور لینا چاہیے۔لیکن پھر بھی آپ اپنی دلچسپی کو بھی مدِ نظر رکھیں۔ جو کام کرنے میں آپ کو لطف آتا ہے وہی کیجیے۔ دوسروں کے دیے ہوئے مشورے اگر آپ کی مرضی کے مطابق ہوں تو، اُس پر عمل کیجیے۔ اکثر بچے دسویں جماعت میں کامیابی کے بعد کس شاخ کا انتخاب کرنا ہے۔کیا ہمیں آرٹس لائن میں جانا ہے،کامرس میں جانا ہے یا سائنس ہمارا پسندیدہ مضمون ہے ان سب پر غور کریں۔ سوچیں کہ کیا پڑھنے میں آپ کو دلچسپی ہے اس کے مطابق انتخاب کیجیے۔ اپنے ارادے سے ڈگمگانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اگر گھر والے بھی آپ کے فیصلے سے متفق نہ ہوں تو ان سے ناراض ہونے کے بجائے اُنھیں سمجھایئے کہ مستقبل میں ٹیچر، وکیل، ڈاکٹر، انجینئر، کیا بننے کی خواہش ہے۔سیکڑوں پیشے دنیا میں ہیں آپ چاہیں تو تاجر بھی بن سکتے ہیں۔ ملازمت ضروری بھی نہیں۔ تجارت میں بھی تو بہت لوگوں نے ترقی کی ہے۔ اور اگر اعلیٰ افسر بننے کی خواہش ہے تو مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کیجیے۔ ہر انسان کو کسی ایک فیصلے پر پہنچنا ضروری ہے۔

ساحل کے سکوں سے کسے انکار ہے لیکن
طوفان سے لڑنے میں مزہ اور ہی کچھ ہے

(آل احمد سرور)

دوسروں کے دیے ہوئے مشورے اگر آپ کی مرضی کے مطابق ہوں تو، اُس پر عمل کیجیے۔اکثر بچے دسویں جماعت میں کامیابی کے بعد کس شاخ کا انتخاب کرنا ھے ۔کیا ھمیں آرٹس لائن میں جانا ھے،کامرس میں جانا ھے یا سائنس ھمارا پسندیدہ مضمون ھے ان سب پر غورکریں۔ سوچیں که کیا پڑھنے میں آپ کو دلچسپی ھے اس کے مطابق انتخاب کیجیے۔ اپنے ارادے سے ڈگمگانے کی قطعی ضرورت نہیں۔

فیصلے کرنے سے قبل ان چار نکات کو ذہن نشین کرلیں اور چار سیڑھیوں پر ہی قدم رکھیں:

1. اول یہ دیکھیے کہ مسئلہ کیا ہے۔اُسے باریکی سے سمجھیں۔ یعنی کہ اس مقام پر ہمیں فیصلہ کیوں لینا ہے اور اگر ہم صحیح فیصلہ نہیں کرتے ہیں تو پھر ہمارا کیا نقصان ہوگا؟
2. اُس پہلے پر ذرا غور کیجیے کہ ہم جس راہ پر چل رہے ہیں یا جو راہ ہم نے اپنائی ہے وہ خاردار بھی ہوسکتی ہے۔ کٹھن اور دشوار گزار مراحل سے ہمارا سامنا بھی ہوگا لیکن ہم مثبت پہلو سے سوچیں گے تو یہی راہ ہمارے لیے آسان ہوجائے گی۔ کامیابی کی راہ ناکامی سے ہوکر ہی گزرتی ہے۔
3. سوچ کی قوت کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ایک مثبت اور دوسرا منفی۔ جو مثبت سوچ کے تئیں طرزِ عمل اپناتا ہے وہ کامیابی تک یقیناً رسائی حاصل کرتا ہے۔
4. بعض کامیاب لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ کامیابی حاصل کرنا ہمارا پیدائشی حق ہے اور وہ ہم حاصل کرکے رہیں گے۔ اس طرح کی ذہنی تیاری مقصد میں کامیابی کے لیے کارآمد ثابت ہوگی۔

آپ میں بے پناہ قوتِ ارادی کا ہونا ضروری ہے۔

دیکھیے جب رائٹ برادران نے ہوائی جہاز بنانا شروع کیا تب لوگوں نے بہت حیرت کا اظہار بھی کیا تھا کہ کیوں پیسے برباد کررہے ہیں۔ جہاز کس طرح ہوا میں اُڑے گا لیکن ہم نے دیکھا کہ انھوں نے جو کہا وہ کر دکھایا۔ ہوائی جہاز کا سفر ہمارے لیے کتنا آسان ہوگیا۔ گھنٹوں کا سفر منٹوں میں ممکن ہوگیا۔ اس

طرح ہر بہادر انسان جسے کچھ کرنا ہے وہ اُس کام کو انجام دے کر ہی رہتا ہے لاکھ راستے میں رُکاوٹیں آئیں۔ وہ کام کو مکمل کر کے دم لیتا ہے۔ تو بچو! اگر ایک بار کسی بھی کام کو کرنے کا زندگی میں فیصلہ کرلو تو پھر پیچھے مت ہٹو۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

دیوار بن کے وقت اگر راستہ نہ دے
جھونکا ہوا کا بن کر گزر جانے چاہیے

ہم سب کو زندگی میں مشکلات اور اذیت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ ناکامیوں کا سامنا بھی کرنا ہوتا ہے۔ اگر زندگی میں ایک دوبار ناکامی آ بھی جائے تو ہم ناکام نہیں کہلا سکتے۔ بے شمار انسان ناکام ہوئے ہیں کیونکہ وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ مسٹر ونسٹن چرچل کا ایک حیرت ناک واقعہ ہے۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کے مدبر تھے اور سیاست داں بھی تھے۔ ایک مرتبہ انہیں ان کے اسکول کی ایک تقریب میں صدارت کے لیے مدعو کیا گیا۔ ہمیشہ کے مطابق وہ اُس تقریب میں شامل ہوئے۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالا اور صرف تین ہی جملے طلبہ کے سامنے کہے یہی اُن کی تقریر تھی۔ آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ وہ کون ہوں گے سے تین جملے؟

کبھی پیچھے مت ہٹیے! کبھی پیچھے نہ ہٹیں! کبھی بھی پیچھے نہ ہٹیں! لمبی تقریر لوگ کئی گھنٹوں بعد بھول جاتے ہیں لیکن بھولے گا کیا کوئی یہ تقریر؟ گنتی کے لفظ لیکن زندگی کو سمت عطا کرنے والے۔

ہم بھی دریا ہیں ہمیں اپنا ہنر معلوم ہے
جس طرف بھی چل پڑیں گے راستہ ہو جائے گا
(بشیر بدر)

(تعارف فروری 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Syeda Naushad Begum Mahmood
Shri Darshan Apts
B-203, Mumbai Pune Road
Shastri Nagar, Kalwa
Distt.: Thane - 400605 (Maharashtra)
Mob.: 9867650210

ابن سراج قاسمی

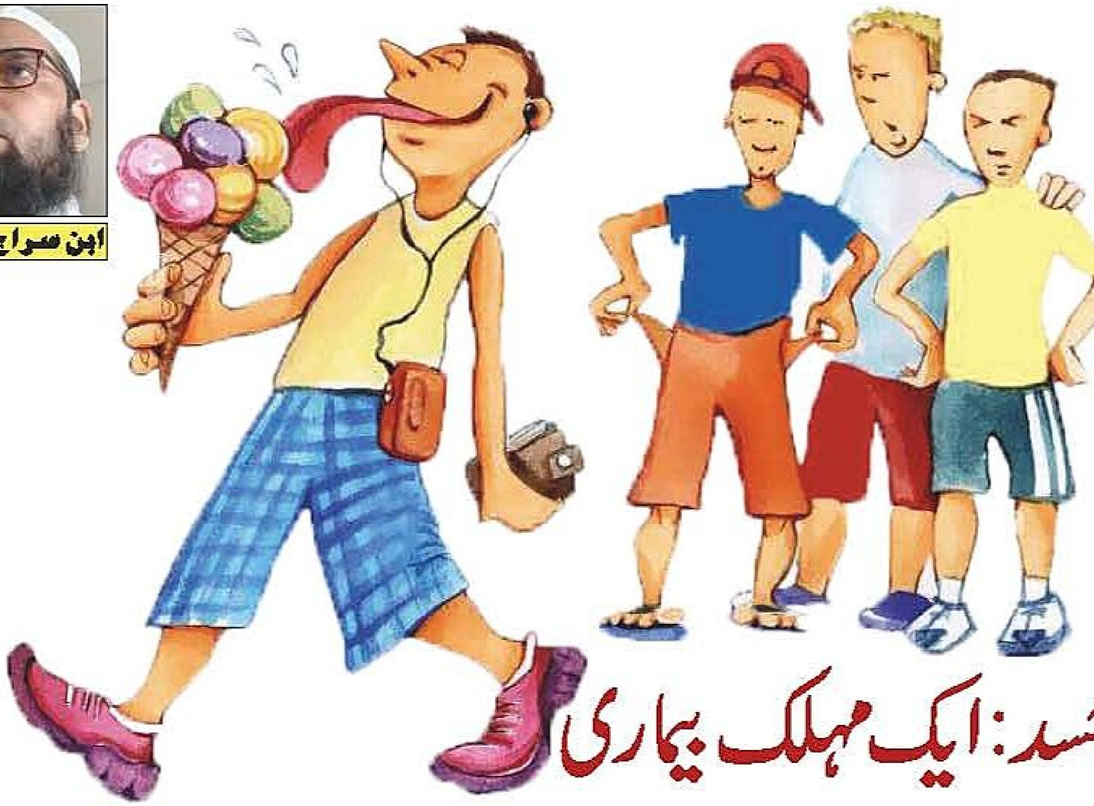

مضمون

حسد: ایک مہلک بیماری

پیارے بچو! آپ نے سردی، بخار، زکام، سر درد، بلڈ پریشر، شوگر اور اس قسم کی بہت سی بیماریوں کا نام سنا ہوگا، لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ 'حسد' بھی ایک مہلک بیماری ہے؟

آئیے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ 'حسد' کیا ہے؟ اور یہ کتنی مہلک اور خطرناک بیماری ہے!!!

'حسد' کہتے ہیں: دوسروں کی نعمتیں، راحت و آرام دیکھ کر جلنے اور نعمت والے سے اس نعمت کے چھن جانے کی تمنا اور خواہش کرنے کا، خواہ وہ نعمت مجھے ملے یا نہ ملے۔

'حسد' سے ملتی جلتی ایک اور چیز ہے، جسے عربی میں 'غِبطۃ' اور اردو میں 'رشک' کہتے ہیں۔ 'رشک' یہ ہے کہ نہ دوسرے کی نعمت بری معلوم ہو اور نہ اس کی بربادی چاہے، بلکہ دل یوں چاہے کہ اس جیسی نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے۔"

'رشک' مذموم اور ناپسندیدہ نہیں، بلکہ یہ ایک مثبت سوچ ہے، کیوں کہ کوئی آدمی جب یوں چاہے گا کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے، تو اس کے لیے کوشش اور محنت کرے گا۔ اور یہ ایک اچھی سوچ ہے، جس سے معاشرے میں لوگوں کے درمیان اچھی چیزوں کے حاصل کرنے میں 'ریس' کا جذبہ بڑھے گا اور زیادہ سے زیادہ لوگ ان جیسی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔

البتہ 'حسد' انتہائی مذموم اور ناپسندیدہ ہے اور یہ آنکھوں سے نظر نہ آنے والی ایک ایسی مہلک قلبی بیماری ہے، جس کی وجہ سے حاسد مسلسل اذیت اور تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔

پروردگار عالم نے ہر گناہ اور غلطی کی ایک سزا مقرر کر رکھی ہے، جب اس کا وقت آتا ہے، تو غلطی کرنے والے کو وہ سزا بھگتنی پڑتی ہے، مثلاً: شراب کا عادی شراب پیتے ہوئے تو سُرور و کیف محسوس کرتا ہے، البتہ شراب پی پی کر جب وہ بیماری میں مبتلا ہوتا ہے، تب اُسے تکلیف ہوتی ہے۔ جوا باز مستی سے جوا کھیلتا ہے، لیکن جب اس کی وجہ سے کنگال ہو جاتا ہے، تو کفِ افسوس ملتا اور انتہائی نادم و پشیمان ہوتا ہے۔ چور چوری

کرتا رہتا ہے، اُسے چوری کرتے ہوئے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، البتہ جب پکڑا جاتا ہے، تب اپنی اِس بُری خصلت پر پچھتاتا ہے۔ لیکن 'حسد' ایک ایسا گناہ اور ایک ایسی بیماری ہے، جس کی وجہ سے حاسد مسلسل اذیت اور تکلیف کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔

حاسد چاہتا ہے کہ دوسرے کی نعمت چھن جائے، دوسرے کی راحت وسکون غارت ہوجائے اور اس کا عیش و آرام مُکدّر (بے لطف) ہوجائے، مگر چوں کہ یہ اس کے بس میں ہوتا نہیں، اس لیے وہ مسلسل اذیت میں مبتلا رہتا ہے۔

ہر بیماری کا علاج ہے۔ اور حسد کا علاج یہ ہے کہ حاسد حسد کرنے کے بجائے اس راستے کو اختیار کرے، جس پر چل کر فلاں آدمی نعمتوں سے مالا مال ہوا ہے، تاکہ یہ خود اُن نعمتوں سے بہرہ ور اور لطف اندوز ہو۔

مثلاً: اگر کسی کو کسی کے مال سے حسد ہے، تو وہ بھی وہی جائز طریقہ اپنائے، جس پر چل کر فلاں نے مال حاصل کیا ہے، اگر علم و ادب سے حسد ہو، تو خود بھی علم و ادب سے آراستہ ہونا چاہیے، اگر کسی کی ڈگری سے حسد ہے، تو خود بھی ڈگری حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پیارے بچو! اگر کوئی حسد کرنے کے بجائے یہ طرزِ عمل اختیار کرے گا، تو ایک نہ ایک دن ضرور وہ ان نعمتوں کو حاصل کرلے گا۔ اور اگر اس نے حسد چھوڑ کر اُس جیسی محنت نہیں کی، بلکہ پیچ و تاب کھاتا رہا اور فلاں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہا، تو ایک دن یہ خود ہی نقصان اُٹھائے گا۔

بچو! آیئے حسد کے بُرے انجام پر آپ کو ایک واقعہ سناتے ہیں:

"پرانے وقت کی بات ہے، ایک شخص کسی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوکر یہ جملہ کہا کرتا تھا کہ محسن (احسان کرنے والے) کے احسان کے بدلے میں اس کے ساتھ حسنِ سلوک

کرنا چاہیے، کیونکہ بدی کرنے والے کو تو خود اس کی بدی ہی غارت کر دے گی۔ بادشاہ کے یہاں اس کو بلند مرتبہ حاصل تھا، اس شخص کے رتبے پر ایک شخص کو حسد ہوا، یہاں تک کہ بادشاہ سے اس کی چغلی کی کہ جو آدمی حضور کے سامنے کھڑا ہو کر یہ جملہ دہراتا ہے، وہ آپ کو گندہ دہن (بدبودار منھ والا) کہتا پھرتا ہے، لہٰذا آزمانے کے لیے آپ اس کو اپنے پاس بلوائیے، جب وہ آپ کے قریب آئے گا، تو اپنی ناک بند کرلے گا، تاکہ اُسے آپ کے منھ کی بدبو نہ پہنچے۔ اِدھر تو بادشاہ سے یہ کہا، اُدھر اس شخص کی دعوت کرکے ایسا کھانا کھلایا، جس میں بہت سا لہسن تھا۔ اتنے میں دربار کا وقت ہوگیا، وہ شخص حسبِ دستور بادشاہ کے سامنے جا کر کھڑا ہوا، اور وہی جملہ کہا۔ بادشاہ نے اس کو اپنے پاس بُلایا، اس نے اس خوف سے کہ کہیں بادشاہ کو میرے منھ کی بدبو بُری نہ معلوم ہو، اپنے منھ پر ہاتھ رکھ لیا، بادشاہ نے جب یہ دیکھا، تو اسے یقین ہوگیا کہ فلاں آدمی صحیح کہہ رہا تھا کہ یہ مجھے گندہ دہن سمجھتا ہے، اس نے اسی وقت اپنے ایک گورنر کو ایک خاص خط اپنے ہاتھ سے لکھا کہ جب حامل رقعہ (یہ خط لے کر جانے والا) تیرے پاس پہنچے، تو اس کو قتل کرکے اس کے چمڑے میں بھس بھروا کر ہمارے پاس بھیج دینا۔ اور خط اس شخص کے حوالے کیا کہ فلاں عامل کے پاس لے جاؤ، (اس بادشاہ کا دستور تھا کہ انعام و اکرام کے لیے تحریر اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا) یہ شخص خط لے کر دربار سے نکلا، راستے میں وہ حاسد ملا، اس کے ہاتھ میں خط دیکھ کر پوچھا کہ یہ خط کیسا ہے؟ اس نے کہا کہ فلاں عامل کے نام بادشاہ کا خاص خط ہے، اُسی کے پاس لے کر جا رہا ہوں، حاسد نے سوچا کہ اس میں ضرور انعام یا جاگیر عطا کرنے کے بارے میں لکھا ہوگا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ یہ خط مجھے دے دو، میں لے کر چلا جاؤں گا، اس شخص نے کہا کہ میں تجھے یہ خط ہدیہ کرتا ہوں، لے جا۔ حاسد خط لے کر عامل کے پاس گیا، عامل نے خط پڑھ کر خط لانے والے (حاسد) کو قتل کر دیا۔ اور اس کی کھال کھینچ کر اس میں بھس بھروا کر بادشاہ کے دربار میں بھیج دیا۔

اِدھر وہ شخص بدستور وقت مقررہ پر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور جو جملہ کہا کرتا تھا، وہ جملہ کہا۔ بادشاہ نے حیران ہوکر پوچھا کہ خط کا کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا کہ راستہ میں فلاں شخص مجھ کو ملا تھا، اس نے مجھ سے مانگا، تو میں نے اس کو دے دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ یوں کہتا ہے کہ تو مجھ کو گندہ دہن کہتا پھرتا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے کبھی بھی ایسا نہیں کہا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر جب میں نے تجھ کو اپنے پاس بلایا تھا تو تو نے اپنا ہاتھ منھ پر کیوں رکھ لیا تھا؟ اس نے عرض کیا کہ اُس شخص نے مجھ کو ایسا کھانا کھلا دیا تھا جس میں لہسن بہت زیادہ تھا، میں نے منھ اس واسطے بند کیا تھا تاکہ حضور بادشاہ سلامت کو لہسن کی بو سے تکلیف نہ ہو۔

بادشاہ کو حقیقت حال معلوم ہوگئی، اس نے کہا: تو اپنا کرتا رہ، دوسرے کا بُرا سوچنے والے کو اس کی بُرائی ہی لے ڈوبی۔ اور وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

بچو! آپ نے دیکھا کہ 'حسد' کا کیا انجام ہوا!!!!

تو آیئے! عہد کریں کہ ہم کسی سے حسد نہیں کریں گے اور کسی کا بُرا نہیں چاہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسد جیسی مہلک بیماری سے محفوظ فرمائے۔

(تعارف دسمبر 2020 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Mohammad Izhar Qasmi
Village & Post. Pauli
Dist: Santkabir Nagar-272 162 (UP)
Mob.: 9389597963

تعلیم وتربیت اور بچوں کی نفسیات

عبدالرحمن شافی

خدا نے انسان کے علاوہ تمام مخلوقات کو زندگی جینے کی ہدایات پیدائشی طور پر دی ہوئی ہیں لیکن انسان کو جب دنیا میں بھیجا تو وہ ایک کورے کاغذ کی طرح تمام صلاحیتوں سے خالی تھا۔ اس نے دنیا کی ہر چیز کو حیرت کی نظر سے دیکھا، اپنے آس پاس کے ماحول پر نظر ڈالی وہ ان سب باتوں سے انجان تھا جو اس کے لیے فائدہ مند ہو سکتی تھیں۔ اس کا مقصد صرف اپنی ضرورتیں پورا کرنا تھا۔ بولنا، چلنا، لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنا اور انھیں جیسی دوسری تمام اچھائیوں سے وہ ناواقف تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ انسان اور انسانیت کی ترقی کسے کہتے ہیں۔ پھر انسان نے آہستہ آہستہ سمجھنا شروع کیا، پہلے اس نے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کام کاج سیکھا پھر کھیتی کرنا اور اخیر میں پڑھنے پڑھانے کی طرف توجہ دی۔ پھر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ اس کی نظر ان سب چیزوں سے ہٹ کر باطنی کمالات (اندرونی خوبیاں) کی طرف گئی، تب اس نے سمجھا کہ حقیقی انسان تو وہی ہے جو اخلاقی اعتبار سے مکمل ہو۔ یہ عمل ایک دن یا ایک سال میں پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا بلکہ اسے تیار ہونے میں صدیاں گزر گئیں اور یہ سلسلہ ماضی سے چل کر تا حال جاری ہے۔

سیکھنے کے اس عمل میں دو باتیں اہم ہیں 'اول تعلیم دوم تربیت'۔ تعلیم ہماری زندگی کو آسان بناتی ہے اور تربیت اسے خوشگوار بنا دیتی ہے۔ تعلیم کسی بھی شے کی شناخت یا کسی چیز کو مکمل طور پر جاننے کا نام ہے، جب کہ تربیت ہماری خود کی پہچان ہوتی ہے۔ تعلیم سے ہم ڈگری حاصل کر سکتے ہیں، عہدہ پا سکتے ہیں، ہمارے لیے نوکری حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے، مگر تربیت ہمیں معاشرے میں رہنا سکھاتی ہے۔ ذہن میں اٹھنے والے برے خیالات کو رد کرتی ہے اور یہی تربیت لوگوں کی پہچان عہدوں سے نہیں بلکہ انسان ہونے کی حیثیت سے کراتی ہے۔ کسی بھی مسئلے کا حل چھوٹے بڑے، امیر غریب، وزیر فقیر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ انسانی حقوق کی حفاظت کی خاطر تلاش کرتی ہے۔ ویسے تو تربیت کا کوئی خاص زمانہ نہیں ہوتا، زندگی کے ہر موڑ، ہر دوراہے پر انسان اپنے تجربات اور

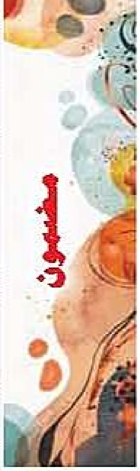

حالات سے کچھ نہ کچھ سیکھتا ہی رہتا ہے مگر ایک عمر اس کے لیے مخصوص ہوتی ہے جسے ہم 'بچپن' کے نام سے جانتے ہیں، جو اصل تربیت کا زمانہ ہے۔

بچے قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، مستقبل میں انھیں کے ہاتھوں قوم کی باگ ڈور ہوگی۔ کوئی ڈاکٹر ہوگا تو کوئی انجینئر، کوئی پروفیسر ہوگا کوئی پولیس، اگر آج ہم ان کی تربیت سے غفلت برتتے ہیں تو یقین جانیے ہم ایک گھاٹے کا سودا کر رہے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل بھی داؤ پر لگا رہے ہیں۔ بیشتر والدین کو اپنے بچوں کی تعلیم کی فکر رہتی ہے لیکن ان میں تربیت کرنے کا جذبہ دکھائی نہیں دیتا (الا ماشاء اللہ)۔ جب سے معاشرے میں خاندانی نظام ختم ہوا تب سے ہر انسان اپنے اہل وعیال کو لے کر الگ رہنا چاہتا ہے، جس کے نتیجے میں والدین اکثر مصروف رہتے ہیں اور بچے بے یار و مددگار یا تو دایہ کی زیرِ نگرانی پلتے ہیں یا پھر اسکول اور ٹیوشن کے گرد چکر لگاتے نظر آتے ہیں۔ والدین بچوں کو اعلیٰ تعلیم، اچھا گھر اور بہترین غذائیں تو فراہم کرا دیتے ہیں لیکن تربیت کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں۔ یہ حال ان لوگوں کا ہے جو پڑھنے پڑھانے سے جڑے ہیں اس کے برخلاف محنت مزدوری پیشہ حضرات کے یہاں تربیت تو درکنار تعلیم تک کا تصور نہیں ہے۔

تربیت کیا ہے؟ تربیت سے مراد اخلاق کو درست کرنا، ادب سکھنا ہے اور تعلیم سے مراد مختلف قسم کی معلومات حاصل کرنا ہے۔ تربیت کا تعلق نفسیات سے ہے۔ نفسیات کو سمجھانے کے لیے لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مثال کے طور پر:

''نفسیاتی تعلیم انسانوں میں ہونے والی تبدیلیوں کو بیان کرتی ہے اور ان تبدیلیوں کو بیان کرتی ہے جو انسان میں پیدا ہونے کے بعد سے بوڑھا ہونے تک ہوتی ہیں۔''

نفسیاتی تعلیم اور اصولِ تعلیم میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اصولِ تعلیم سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے اور کن ذرائع سے تعلیم میں مدد ملتی ہے؟ جبکہ نفسیاتی تعلیم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ تعلیم کے مقصد کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ سیکھنے میں کیا چیز مدد دیتی ہے، بچے کے کردار میں کن اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیے وغیرہ۔ تعلیم کا ایک بنیادی مقصد انسان کی تربیت ہے لیکن تعلیم اور تربیت اسی وقت ممکن ہے جب بچے کی صلاحیتوں اور خصوصیات کو سمجھا جائے۔''

علم سیکھنے کے تین ذرائع ہیں، اول، تعلیم دوم تربیت اور سوم تجربہ۔ تعلیم کافی حد تک اکثر لوگوں کی ایک ہی ہوتی ہے البتہ تربیت اور تجربہ ہر انسان کا الگ ہوتا ہے اور جب ہم بات

بچوں کی کرتے ہیں تو وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے سامنے بچہ اس حالت میں ہے کہ جب اسے نہ علم ہے، نا تجربہ اور نا ہی تربیت۔ اسی وجہ سے بچوں کے حوالے سے ہمیں بہت احتیاط کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی زندگی میں تعلیم و تربیت کو برابر (Parallel) لے کر چلنا ہوتا ہے۔ تربیت کرنے والا جب بچے کے علم، صلاحیت، صحت، مزاج اور اس کے ماحول سے واقف ہوتا ہے تب وہ اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس سے کام لیتا ہے۔

تعلیم کا مقصد انسان کی تربیت ہے اس کو اس طرح سمجھیے کہ تربیت ہمارے دل و دماغ کی طرح ہیں اور تعلیم ہاتھ پاؤں اور باقی جسم کے حصوں کی طرح، لیکن تعلیم کو ہی تربیت سمجھنا ایک صریح غلطی ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ تربیت کا تعلق انسان کی اندرونی خصوصیات سے ہے جس کو اخلاقیات کا نام بھی دیا گیا ہے، باقی دوسری تمام صلاحیتیں انسان کے ظاہر سے متعلق ہیں (یعنی ظاہری اعضا)۔ دنیا میں سب سے مشکل کام تربیت کرنا ہے۔ ہر زمانے میں اس کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، یہ مربی (تربیت کرنے والا) اور بچے کے درمیان کا معاملہ ہوتا ہے۔ مربی کو بہت سمجھ بوجھ کر ہر قدم پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ مربی چاہے استاد ہو یا والدین، جہاں انھیں بچوں کی عمر، ذہن و علم کا خیال رکھنا ہوتا ہے وہیں ان کی صلاحیت و استعداد کے مطابق کام لینے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے چمن میں الگ الگ رنگوں اور خوشبوؤں کے پھول ہیں ٹھیک اسی طرح بچوں کے مزاج بھی الگ ہوتے ہیں۔ ہر شخص کی ان تک پہنچ ممکن نہیں، عوام تو درکنار کبھی کبھی یہ خواص کی سمجھ سے بھی باہر ہوتی ہے۔ یہ طے کرنا بہت مشکل کام ہے کہ اس وقت بچے کو صرف سمجھانے سے کام چل جائے گا یا ڈانٹنے کی ضرورت ہے۔ وہ کون سی گھڑی ہے جب تادیب (مارنا) کارگر ہوتا ہے اور کس وقت کچھ نہ کہنا بھی کسی بڑی نصیحت کرنے سے زیادہ مفید ہے۔ ان تمام تفصیلات کا تعلق صرف مربی سے ہے، بچے کی مجموعی حالت کا جائزہ لے کر ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس طرح کے برتاؤ سے بچے میں اندرونی صلاحیتیں پیدا کی جا سکتی ہیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ مربی خود اچھے اخلاق والا ہو اور تربیت سے متعلق تمام ضروری چیزوں سے واقف ہو۔

تربیت سے متعلق کچھ اہم وضاحتیں

جب بچوں کی نفسیات کا خیال رکھ کر اس سے کام لیا جاتا ہے اس وقت ان کی جانب سے بہت اچھے نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔ صبح اٹھنے سے لے کر رات کو سونے تک وہ جس عمل سے

بھی گزرتے ہیں وہ سب ان کی عقل اور سمجھ، عمر اور صلاحیت کو سامنے رکھ کر کیے جانے چاہیے۔ بیشتر مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ والدین یا اساتذہ بچوں کو اپنی طرح سمجھتے ہوئے ان سے اسی طرح کے برتاؤ کی امید رکھتے ہیں جیسے وہ خود سوچتے ہیں یا کسی کام کو کرتے ہیں۔ وہ بچوں کو مشینوں کی طرح سمجھتے ہیں کہ اِدھر بٹن دبایا اور اُدھر کام ہوگیا، جب کہ ایک مربی میں عقبون کا مادہ سب سے زیادہ ہونا چاہیے کیونکہ اس کی مسلسل کوشش ہی سے یہ ننھا پودا ایک تناور درخت کی شکل میں بدلے گا، ٹھنڈی چھاؤں اور میٹھے پھلوں سے دوسروں کو بھی نفع پہنچائے گا۔ ایک معالج کی طرح مربی کو ہر وقت بچے کی نقل و حرکت پر نظر رکھنی چاہیے، آیا اس وقت بچے کے ساتھ کیا معاملہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی چھپی ہوئی صلاحیتیں باہر آسکیں اور وہ خود کو پہچان سکے۔ اسکولی نصاب کی زیادتی، ٹیوشن کا بوجھ، ہوم ورک اور سوشل میڈیا کی ہنگامہ آرائیاں جیسی کئی وجوہات ہیں جو بچوں کے معصوم ذہن کو چڑچڑا بنا دینے کے لیے کافی ہیں اور اس پر گھر والوں کی اچھے نمبر لانے کی خواہش اور دوسرے بچوں سے آگے نکلنے کی چاہ ان میں فطری صلاحیتیں پیدا کرنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ بچے ان کی کسوٹی پر کھرا اترنے کے عوض ہمیشہ اسی فکر میں مبتلا رہتے ہیں کہ میں فلاں سے آگے کیسے نکل پاؤں گا، حتیٰ کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوکر ایک دن خود کو بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ موجودہ دور کا المیہ یہ بھی ہے کہ ہم بچوں کو ریس کا گھوڑا سمجھتے ہیں اور اس دنیا کو ریس کا میدان، جہاں ہر کوئی ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کا خواہشمند ہے۔ اس ریس میں دوڑتے دوڑتے ان کی آنکھوں میں ایسے خواب پلنے لگتے ہیں جن کی تعبیر ممکن نہیں، وہ اپنی دنیا الگ بسا لیتے ہیں جس میں ایسے لوگوں کی جوان کو بس ایک آلہ کے طور پر دیکھتے ہیں کوئی جگہ نہیں، پھر چاہے وہ والدین ہوں یا اساتذہ انھیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسے حالات میں جذبات، احساسات، اخلاقیات جیسے عظیم ستونوں کا ذکر تو فضول بات لگتی ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے اس بات سے تو پریشان ہیں کہ نوجوان اور بچوں کا برتاؤ درست نہیں لیکن تربیت جیسے اہم کے دبے لفظوں میں وہ منکر نظر آتے ہیں۔ شاعرِ مشرق کو اس بات کا احساس بہت پہلے ہوگیا تھا، اسی لیے انھوں نے اس مشینی دور کے متعلق پیشین گوئی کی تھی جس میں آج ہم یا ہمارے بچے موجود ہیں ؏

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

اقبال کی خودی بھی انسان کی باطنی صلاحیتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے 'خودی کو کر بلند اتنا' گویا اقبال کہنا چاہتے ہیں کہ اپنی باطنی صلاحیتوں کو اتنا بڑھاؤ کہ ملک (فرشتے) بھی تم پر رشک کرنے لگیں۔ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ ''عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں'' یہی وہ کمال اور عروج (بلندی) ہے جو ہمیں حقیقی معنی میں انسانیت کے عہدے پر فائز کرتی ہے اور اخیر میں میں اپنی بات ان لفظوں پر ختم کرنا چاہوں گا کہ ''بچے گوندھے ہوئے آٹے کی مانند ہوتے ہیں انھیں اگر آپ سختی سے پکڑیں گے تو وہ آپ کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے اور اگر نرمی سے تھامیں گے تو یقیناً وہ آپ کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہوکر قوم وملت کی تعمیر میں ایک اہم کردار ادا کریں گے''۔

■

Abdur Rehman Shafi
Research Scholar, Dept of Urdu
Jamia Millia Islamia, New Delhi- 110025
Mob.: 7017903577

میرے بچو!

کوثر صدیقی

میرے بچو سدا مسکراتے رہو
خود ہنسو، دیش کو بھی ہنساتے رہو
بلبلوں کی طرح چہچہاتے چلو

تم چمن کے مہکتے ہوئے پھول ہو
باغ کے پاسباں[1] اور مالی بنو
اپنے گلشن کو جنت بناتے چلو

تم وطن سے ہو تم سے وطن ہے جواں
تم سے محفوظ ہے باغِ ہندوستاں
دیش بھکتی کے نغمے سناتے چلو

کل جو آئے گا تم اس کے معمار[2] ہو
دیش نرمان[3] کرنے کو تیار ہو
دیش کو خوب صورت بناتے چلو

کارواں زندگی کا چلاتے ہوئے
ہر قدم اپنا آگے بڑھاتے ہوئے
دیش کا جھنڈا اونچا اٹھاتے چلو

تم ہی فوجی ہو اور تم ہی سالار[4] ہو
پاسباں دیش کے ہو نگہ دار[5] ہو
دیش پر جان اپنی لٹاتے چلو

مشکل الفاظ کے معنی

1 پاسبان: رکھوالا، چوکیدار
2 معمار: عمارت بنانے والا
3 نرمان: کسی چیز کو بنانا، تعمیر کرنا
4 سالار: فوج کا افسر
5 نگہ دار: دیکھ بھال کرنے والا

(تعارف مارچ 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Kausar Siddiqui
Dabistan-e-Bhopal
79- A, Ginnori Main Road
Bhopal- 462001 (MP)
Mob.: 9926404171

محمد رفیع انصاری

پہلا انعام

(یومِ اطفال کے موقعے پر ایک نظم)

یومِ اطفال کے موقع پر
شاہین کلب کی جانب سے
اِک جلسہ تھا
اس جلسے میں
دس بچوں نے تقریریں کیں
جو سب سے چھوٹا بچہ تھا
اُس کو پہلا انعام ملا
'معصوم' تھا نام اس کا لیکن
سب اس کو بھولا کہتے تھے
اپنے اسکول سے بے چارہ
وہ لاد کے بستہ آیا تھا
کچھ گھبرایا، کچھ شرمایا
اس نے بھی صدرِ جلسہ سے
کچھ کہنے کی مہلت مانگی
جب حکم ملا، وہ شاد ہوا

پہلے تو گہرا سانس لیا
پھر ہمّت کر کے یوں بولا
'داناؤ! مجھ پر رحم کرو
یہ بوجھ جو میری پیٹھ پہ ہے
اس کو ہلکا کرنے کی بھی
تدبیر کرو
گتھی کو سلجھانے والو،
یومِ اطفال کے موقع پر
کچھ ہم بچوں کا مان کرو
اس مشکل کو آسان کرو'

(تعارف اپریل 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Mohammad Rafee Abdul Khaliq Ansari
Al Madni, 734, Bhusar Mohalla
Bhiwandi - 421302 (Maharashtra)
Distt.: Thane

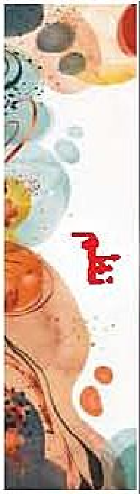

محمد اسد اللہ

آرہا ہے امتحاں

کیوں ستم بچوں پہ اتنا ڈھا رہا ہے امتحاں
ہر طرف ہنگامہ برپا آ رہا ہے امتحاں

زندگی بھی امتحاں ہے یہ ہمیں معلوم ہے
بارہا آ آ کے سر کیوں کھا رہا ہے امتحاں

اب سوالوں کی جھڑی لگنے ہی والی ہے میاں
اک گھٹا کالی سی بن کر چھا رہا ہے امتحاں

رات کی نیندیں اڑا کر، چین دن کا چھین کر
کیا ڈرا کر ہم کو آخر پا رہا ہے امتحاں

ہر کسی پر امتحاں ہے ان دنوں ایسا سوار
پی رہا ہے امتحاں اور کھا رہا ہے امتحاں

چھٹیوں کی آمد آمد ہے جہاں مسرور ہے
ٹل رہی ہے اک بلا جو جا رہا ہے امتحاں

■

Mohd Asadullah
30, Gulsitan Colony
Nagpur- 440013 (Maharashtra)
Mob.: 9579591149

مدثر عمر کیفی

دیش کے لیے

سدا پاپ سے دور رہ، لے ایشور کا نام
سیوا سادھو سنت کی سب سے اتم کام

خاطر جو بھی دیش کی دیتا ہے بلیدان
ہوتا ہے سنسار میں بہت بڑا سمان

بھرنے سے بھرتا نہیں دل کا گہرا گھاؤ
چادر پہلے دیکھ لو پھر پاؤں پھیلاؤ

پیاسا کوا دوڑ کے گیا گھڑا کے پاس
اس نے اپنی عقل سے خوب بجھائی پیاس

قدم قدم پر آج کل رکھنا بہت خیال
بچھے ہوئے ہیں دہر میں رسوائی کے جال

ہر دم یارو تول کر بولو اپنی بات
ورنہ اس سنسار میں کھا جاؤ گے مات

عمر تم ہر کی بات پر دینا کبھی نہ کان
ہے کس رنگ ونسل کا پہلے اس کو جان

■

Mudassir Umar Kaifi
Saba House, Daccan Mohalla Piro
Piro- 802207
Bhojpur (Bihar)
Mob.: 8709838916

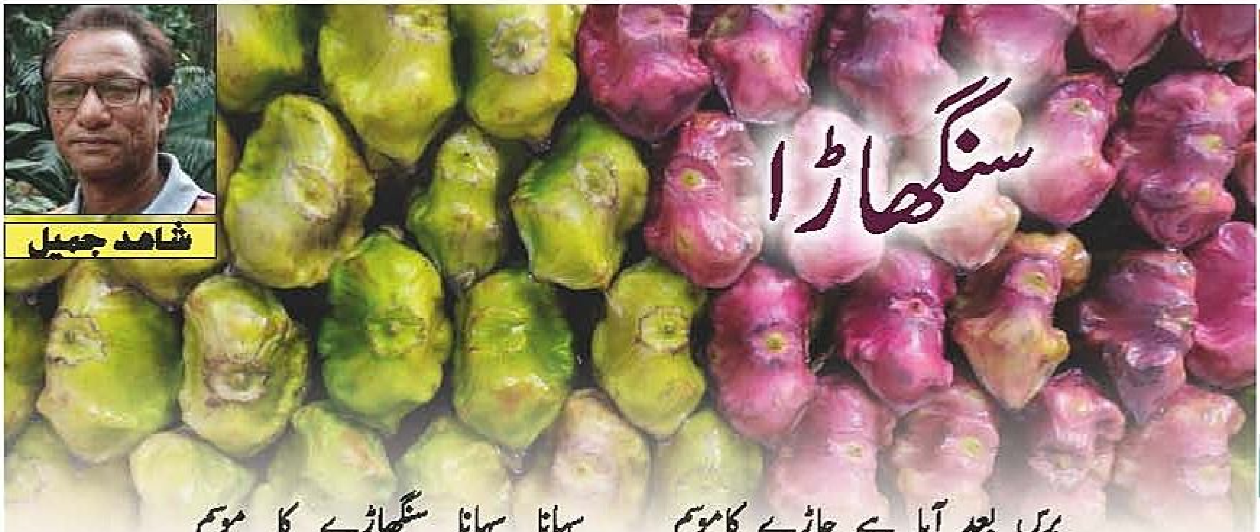

شاہد جمیل

سنگھاڑا

برس بعد آیا ہے جاڑے کا موسم — سہانا سہانا سنگھاڑے کا موسم
تِکونا تِکونا سلونا سنگھاڑا — جو پانی ہے چاندی، تو سونا سنگھاڑا
ہے پانی کی لہروں پہ اِس کا ٹھکانہ — مگر، مچھلیوں سے الگ آشیانہ
بڑا ہی نرالا یہ پانی کا پھل ہے — کہ اندر کوئی دودھ جیسا محل ہے
مٹھاس اور خوشبو کا جادو بھرا ہے — اِدھر منہ میں رکھا، اُدھر گھل گیا ہے
خزانہ ہے کیسا سنگھاڑے کے اندر — حفاظت کی خاطر ہیں کانٹے بدن پر
ہے اوپر سے دیو، تو اندر پری ہے — بناوٹ میں کیا خوب کاریگری ہے
ہرے، لال چھلکے میں جا کر چھپی ہے — ڈَلی ایک مصری کی رکھی ہوئی ہے
اُبالو تو پھر ذائقہ دوسرا ہے — الگ اِس کے تیور، الگ ہی ادا ہے
کسی کو لبھاتی ہے انڈے کی زردی — سنگھاڑے کی سوغات لائی ہے سردی
میسر ہو جس کو سنگھاڑے کا جلوہ — اُسے چاہیے کب پراٹھے پہ حلوہ؟
جھلک اِس کی کوئی زیادہ نہ پائے — نومبر دسمبر سے آگے نہ جائے!
انوکھا، عجوبہ ہے اور بے مثل ہے — لذیذ اِس کے جیسا نہیں کوئی پھل ہے

کہیں، لاکھ موسم ہو جاڑے سے بہتر
نہیں کوئی پھل ہے سنگھاڑے سے بہتر

■

Shahid Jameel
202 - R.D. Mansion
Ashiana - Digha Road
Opp. Axis Bank
P.O.B.V. College
Patna - 800014
Mob.: 9471094149

(تعارف مئی 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

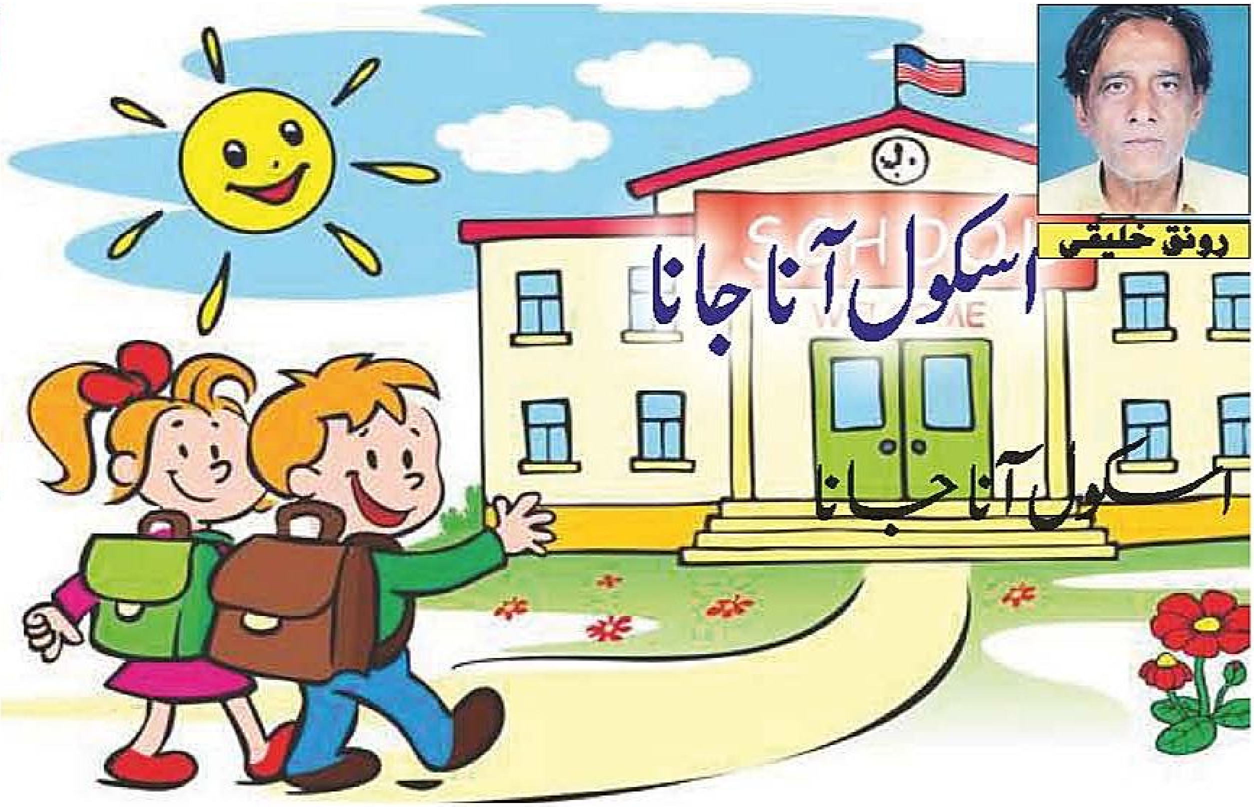

رونق خلیقی

اسکول آنا جانا

بچپن کا وہ زمانہ کیوں یاد آرہا ہے
اسکول آنا جانا کیوں یاد آرہا ہے

بچپن کی یاد گویا سرمایہ زندگی کا
انمول وہ خزانہ کیوں یاد آرہا ہے

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
اقبال کا ترانہ کیوں یاد آرہا ہے

جب ہم بڑے ہوئے تو ماں باپ خوش ہوئے تھے
آپس کا چہچہانا کیوں یاد آرہا ہے

ہم بوڑھے ہوگئے ہیں، آئینہ کہہ رہا ہے
گزرا ہوا زمانہ کیوں یاد آرہا ہے

اگلے برس کو شاید مہلت نہیں ملے گی
وہ آخری ٹھکانہ کیوں یاد آرہا ہے

اپنی لحد میں ہم بھی سوجائیں گے یقیناً
وہ قبر کا دہانہ کیوں یاد آرہا ہے

جب حشر ہوگا برپا پھر قبر سے اٹھیں گے
قدرت کا وہ جلانا کیوں یاد آرہا ہے

حشر: قیامت جلانا: زندہ کرنا دہانہ: منھ

■

Rounaque Khaliqui
C/o Jalaluddin Bharnewale
Behind Unique Medical Store
Near Do Bhai Bidi Fectory
Burhanpur - 450331
Mob.: 9827012110

عطا عابدی

اسکول میں

ملتے ہیں دنیا کے سب علم و ہنر اسکول میں
پاتے ہیں پرواز سب کے بال و پر اسکول میں

ہم سے کل پائے گی دنیا روشنی ہر ایک سمت
ہم ہیں اپنے وقت کے شمس و قمر اسکول میں

زندگی کا حسن ملتا ہے کتابوں سے ہمیں
ہر طرف ہے نسخۂ فتح و ظفر اسکول میں

سب کے سب ٹیچر، ہماری ذہن سازی کے لیے
بانٹتے ہیں دولتِ فکر و نظر اسکول میں

ہم بھی کل استاد ہوں دل میں تمنا ہے یہی
ہم بھی کل پائیں مقام معتبر اسکول میں

بس کہ ہم ہر سال اچھے نمبروں سے پاس ہوں
اور ہمیں ملتی رہے اچھی خبر اسکول میں

راستہ دکھلاتا ہے، منزل کا دیتا ہے پتہ
فیض و برکت کا ہے نقشہ جلوہ گر اسکول میں

ہوتے ہیں استاد جو تعلیم کی صورت 'عطا'
کرتے رہتے ہیں عطا لعل و گہر اسکول میں

(تعارف جون 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Ata Abdi
C/o Book Emporium, Urdu Bazar
Sabzi Bagh
Patna - 800004 (Bihar)
Mob.: 7903021559

وسیم احمد نگرامی

میری پیاری گھوڑا گاڑی

مجھ کو ہے یہ جان سے پیاری
میری پیاری گھوڑا گاڑی
کہیں کہلائے یکا تانگا
کوئی ٹمٹم کہتا
ٹاپوں کا سنگیت سناتا
خوب مگن میں رہتا
جان سے بھی زیادہ عزیز
کمواتی مجھے دہاڑی
میری پیاری گھوڑا گاڑی
اپنی قوت بھر یہ دوڑے
بیچ راہ یہ کبھی نہ چھوڑے
سبھی قاعدوں کو یہ مانے
نہیں قاعدہ کوئی توڑے
سب کو منزل تک پہنچائے
بجا کے بھوپو کہتا سب سے
بچو! اگاڑی بچو! پچھاڑی
میری پیاری گھوڑا گاڑی
گاؤں، شہر تک لے جائے
ڈھو کر بوجھا پہنچائے
کبھی کسی کو جلدی ہو تو
خود کو سرپٹ دوڑائے
ہو سپاٹ یا راہ پہاڑی
میری پیاری گھوڑا گاڑی

■

Vasim Ahmad Nagrami
10/42, Nagram Bazar
Lucknow - 226303 (UP)
Mob.: 9198931894

تتلی اور بچہ

علیم طاہر

علیم طاہر کا تعلق ریاست مہاراشٹر کے ضلع جلگاؤں کے گاؤں دھرم گاؤں سے ہے۔ یہ مشہور شاعر ارشد مینا نگری کے صاحب زادے ہیں۔ انھوں نے پونا یونیورسٹی سے اردو، ہسٹری اور ایجوکیشن میں ایم اے کیا ہے۔ انھوں نے کئی فلموں میں گیت، سیریلز میں مکالمے بھی لکھے ہیں اور کچھ فلموں میں اداکاری بھی کی ہے۔ ان کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں کرچی کرچی خواب، اگلا موسم، دنیا مسافر راستے، سرسنگم سنگیت قابل ذکر ہیں۔ ادب اطفال کے ضمن میں ابا ابا آج ہے سنڈے کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ ان کی شخصیت پر کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی زیادہ تر تصانیف ویب سائٹس پر موجود ہیں۔

تتلی بولی ننھے راجہ یوں بھاگو نہ پیچھے
گرِ نہ جاؤ دائیں بائیں دیکھو اوپر نیچے

رنگ برنگے باغ میں میرے پیچھے پڑ گئے کیوں؟
مجھ کو چھونے کی خواہش میں ضد پر اڑ گئے کیوں؟

بولا بچہ پیاری تتلی سنو نا میری بات
میرے دل میں خواہش جاگی تمھیں لگاؤں ہاتھ

رنگ برنگی پیاری پیاری تم وہ رنگیلی ہو
چھونے کی خواہش جاگی ہے تم وہ چمکیلی ہو

بولی تتلی اچھے بچے دیکھو لطف اٹھاؤ
کچے رنگ ہیں میرے مجھ کو ہاتھ ذرا نہ لگاؤ

چھونے کی ضد چھوڑو اور کرو مرا دیدار
رنگ برنگی دِکھتی ہوں تو دِکھنے دو نا یار

بولا بچہ تتلی رانی سمجھ مجھے ہے آیا
یری نادانی تھی تم کو چھونے کو للچایا

بس تم کو دیکھوں گا اپنا جی بہلاؤں گا
اب ہرگز کچے رنگوں کے پاس نہ آؤں گا

اڑتے اڑتے گل پر بیٹھی تتلی پھر مسکائی
اپنے پروں کو پھیلا کر پھر رنگ نئے دکھلائی

تتلی نے پر پھیلائے تو فضا ہوئی متوالی
چمک اٹھیں بچے کی آنکھیں، بجا دی اس نے تالی

■

Aleem Tahir
Mominpura, Servay No.: 19
Ghar No.: 51
Malegaon - 423203
Distt.: Nasik (Maharashtra)

ٹیڈی بیئر

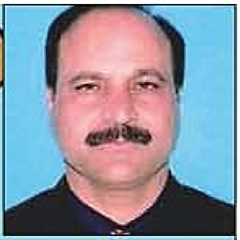

پرویز مانوس

میں نے پوچھا ٹیڈی بیئر
کیوں اتنے مایوس ہو ڈیئر
ننھے منے پیارے پیارے
کس کارن بے چین ہو سارے
کیا بتلائیں ٹیڈی بولے
دھیمے سے اپنے لب کھولے
رات اندھیری ہے تنہائی
بچوں کی پھر یاد ہے آئی
دن میں کتنے خوش تھے سارے
بچوں کے تھے راج دُلارے
دن بھر اُن سے کھیل رہے تھے
اُن کے گھونسے جھیل رہے تھے
کان بھی کھینچے، ناک مروڑی
خوب گھسیٹا باندھ کے ڈوری
روز شرارت کر جاتے ہیں
پیار وہ ہم میں بھر جاتے ہیں
دل میں اپنے گھر کر جاتیں
توتلی باتیں یاد ہیں آتیں
کھلتی ہے بچوں سے دُوری
ان کے بن ہے رات ادھوری

شام کو بچے گھر جاتے ہیں
ہم کو تنہا کر جاتے ہیں
میٹھے سے نمکین ہوئے ہیں
ہم سارے غمگین ہوئے ہیں
کاش ہمارے بیگ بھی ہوتے
ہم بھی اُن کے ساتھ میں ہوتے
لیکن ہم پابند ہوئے ہیں
الماری میں بند ہوئے ہیں
میں نے بولا مت گھبراؤ
آنکھیں موند کے سب سو جاؤ
کل اسکول کھلیں گے پھر سے
بچے آئیں گے باہر سے
کل صبح تم پھر دیکھو گے
بچوں کے سنگ تم کھیلو گے
سن کر وہ خوش ہو جاتے ہیں
سارے ٹیڈی سو جاتے ہیں

■

Parvez Manoos
Makan No.: 115, Azad Basti
West Nati Pura
Srinagar - 190015 (J&K)
Mob.: 9419463487

جاوید رانا

رنگ برنگے جوتے چپل

دوکانوں میں رنگ برنگے جوتے چپل
دیکھ کے ہر دم جی للچائے جوتے چپل

پھٹ جاتے ہیں چھل جاتے ہیں کٹ جاتے ہیں
لیکن منہ سے کچھ نہیں کہتے جوتے چپل

کتنے اچھے کتنے پیارے جوتے چپل
سب کے پیروں کے کام آتے جوتے چپل

چلتے پھرتے غور کرو اے پیارے بچو!
کتنی باتیں ہم کو سکھاتے جوتے چپل

راجا بیٹا جس دن بھی اسکول نہ جائے
اس دن ابو کے وہ کھائے جوتے چپل

اچھے بھلے کی ٹیڑھی میڑھی چال بنادیں
اونچی اونچی ایڑی والے جوتے چپل

اوبڑ کھابڑ پتھریلی راہوں سے ہر دم
تلوؤں کو چھلنے سے بچاتے جوتے چپل

سنتے نہیں جو اپنے بڑوں کا کہنا بالکل
دنیا والوں کے وہ کھاتے جوتے چپل

بچے، بوڑھے، مرد وزن سب پہنے ہوئے ہیں
مہنگے سستے، نئے، پرانے جوتے چپل

پپو، عفت، گڑیا، صہبا، طلحہ، رانا
عید پہ سب نے خریدے کپڑے جوتے چپل

کنکر، پتھر، کانٹے، کیلیں، گندے فضلے
ان سب سے پیروں کو بچاتے جوتے چپل

کبھی کبھی تو پاؤں زخمی کر دیتے ہیں
نئے نرالے، سیدھے سادھے جوتے چپل

■

Javed Rana
143/29, Near Char Mazar
Dr. Zakir Husain Ward
Mominpura
Burhanpur - 450331 (Madhya Pradesh)
Mob.: 9009234875

اشتیاق احمد راشد

بچپن

کیا بچپن کا زمانہ تھا   دل غم سے بیگانہ تھا
چڑیوں جیسے اڑتے تھے   آزادی کا زمانہ تھا
چھتری گھر پر چھوڑ کے آتے   بارش میں جو نہانا تھا
آم توڑنے کی خاطر   باغ میں چھپ کے جانا تھا
پیچھے پیچھے بھاگتے رہتے   من تتلی کا دوانہ تھا
خوش تھے ہم پا کے اک آنہ   جیسے کتنا خزانہ تھا
بھر جاتا برسات کا پانی   تو پھر ناؤ بہانا تھا
پکڑ پکڑ کر جگنو لاتے   گھر تاروں سے سجانا تھا
شاہانہ تھے دن اپنے   بس خوشیوں کا ترانہ تھا
جانے کب کا بیتا بچپن   جیسے کوئی فسانہ تھا
راشد کوئی فکر، نہ غم تھا   بچپن کتنا سہانا تھا

(تعارف جون 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Ishtiaque Ahmed
3, P.M Bustee 2
D bye Lane,Shibpur
Howrah - 711102 (West Bengal)
Mob.: 8240162221

شاد اعظمی ندوی

بات

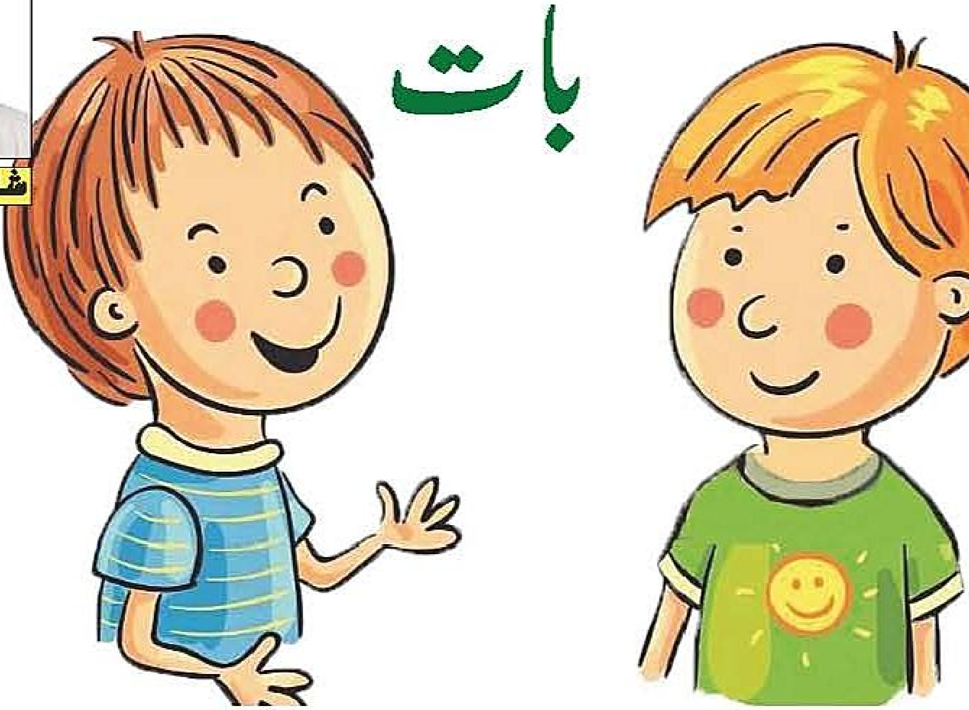

اچھی بولو، سچی بولو
بات ہمیشہ حق کی بولو

آدھی ادھوری بات نہ بولو
بات ہمیشہ پوری بولو

چبھ جاتی ہے خنجر بن کر
بات نہ ہرگز کڑوی بولو

بات بھی مرہم بن سکتی ہے
شرط ہے، حرف تسلی بولو

لفظوں کا رکھو معیار
بات نہ منھ سے گندی بولو

سیدھی سچی بولو بات
بھول کے بھی مت بولی بولو

جھوٹ نہ بولو آسانی میں
مشکل میں بھی سچ ہی بولو

یہ جو زباں ہے رب کی عطا ہے
شاد ہمیشہ حق کی بولو

■

Mohd Rafe
Teacher Jamia Islamia Muzaffarpur
Azamgarh - 276302 (UP)
Mob.: 9935628735

چاند بی بی

مصباح انصاری

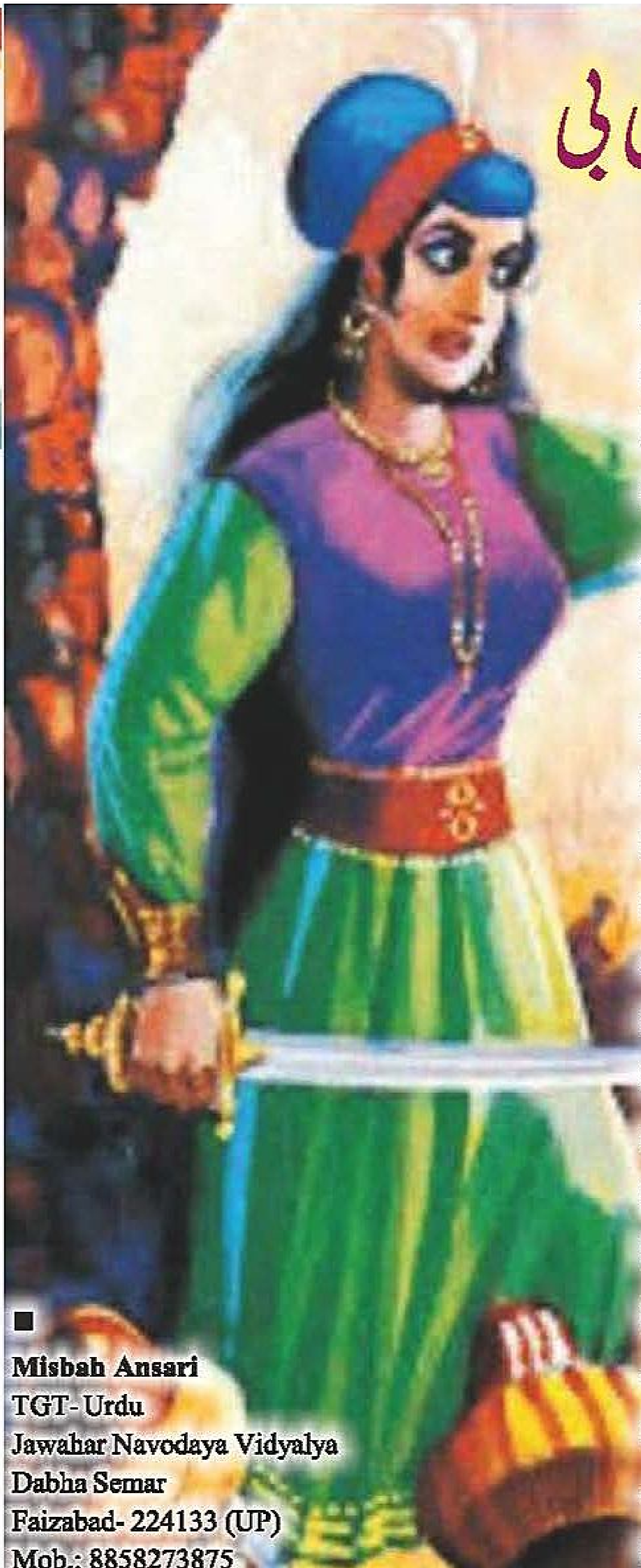

خوبصورت اک کلی تھی چاند بی بی
راج شاہی میں پلی تھی چاند بی بی
شان تھی احمد نگر کی اور گویا
مان بیجاپور کی تھی چاند بی بی
گھڑسواری، تیر اندازی کی ماہر
علم و فن کی بھی دھنی تھی چاند بی بی
اس نے سیکھی فارسی، عربی، مراٹھی
اور کنڑ جانتی تھی چاند بی بی
جب وطن پر آنچ آئی بے جھجک ہی
دشمنوں سے جا بھڑی تھی چاند بی بی
اپنی پرجا کی حفاظت کے لیے ہی
مغلوں سے بھی لڑ گئی تھی چاند بی بی
دھوکا اپنوں سے ملا تھا ان کو تب بھی
ہو کے بیوہ بھی ڈٹی تھی چاند بی بی
ان کے کاموں سے رعایا خوش بہت تھی
سمجھو ان کی زندگی تھی چاند بی بی
مان، عزت، پیار ان کو سب ملا تھا
عدل کی مورت بنی تھیں چاند بی بی
آج بھی احمد نگر میں خون بن کر
دوڑتی سب کی رگوں میں چاند بی بی
گزرے ان کے ایک عرصہ ہوگیا پر
ہیں ابھی زندہ دلوں میں چاند بی بی

■

Misbah Ansari
TGT- Urdu
Jawahar Navodaya Vidyalya
Dabha Semar
Faizabad- 224133 (UP)
Mob.: 8858273875

فریدہ انجم

مٹھو میاں

پرکشش تو لگے یار مٹھو میاں
پر، بلا کا ہے ہشیار مٹھو میاں

شور کیوں کر نہ پھر یہ مچائے بہت
دیکھ لے کوٹھی اور کار مٹھو میاں

ہے بہت ہی سیانا مگر، دیکھیے
وہ ہوا ہے گرفتار مٹھو میاں

تیرا پنجہ بھی تلوار سے کم نہیں
ہے زباں تیری ہتھیار مٹھو میاں

بلی ماسو کو جب اک ذرا دیکھ لے
بھاگنے کو ہو تیار مٹھو میاں

ہر کسی سے ادب ہی سے پیش آتا ہے
ہر کسی سے کرے پیار مٹھو میاں

یاد تجھ کو رہے بات انجم کی یہ
چھیڑ دل کے نہ یوں تار مٹھو میاں

■

Fareeda Anjum
Near, Chhoti Masjid
Patna City -8
Patna- 800008 (Bihar)
Mob:8235851828

بچوں کو مادری زبان میں تعلیم دی جائے: ناظمہ پروین

س: بچپن کی کون کون سی باتیں، شوخیاں، شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

ج: مجھے بچپن میں سائیکل چلانے کا شوق تھا۔ ہماری گلی کے بچے سائیکل کی ریس بھی لڑاتے تھے۔ میرے ابا کو پتہ چلا کہ میں لڑکوں کے ساتھ سائیکل کی ریس لڑاتی ہوں تو وہ بہت ناراض ہوتے اور میرے بھائیوں کو تاکید کردی کہ میں سائیکل کو ہاتھ نہ لگاؤں۔ میرے سائیکل چلانے پر پابندی عائد کردی گئی۔ میں جب بھی بچوں کو سائیکل پر سواری کرتے دیکھتی تو میرا دل بے چین ہو جاتا۔ ایک دن ہمارے کوئی رشتہ دار سائیکل پر آئے اور انھوں نے سائیکل گھر کے دروازے کے باہر کھڑی کردی۔ وہ بڑوں کی سائیکل تھی اور میں اس پر بیٹھ کر چلا نہیں سکتی تھی۔ میں نے ایک ترکیب کی، سائیکل کے دونوں پینڈلس کے ذریعے بغیر گدی پر چڑھے سائیکل چلانا شروع کردی۔ بڑا مزہ آیا۔ گھر سے کافی دور نکل گئی۔ ایک جگہ بھینسیں بندھی ہوئی تھیں اور ایک آدمی بھینسوں کا دودھ دوہ رہا تھا۔ اچانک سائیکل کا توازن بگڑا اور میں سائیکل سمیت اس آدمی پر گر پڑی۔ وہ چیخنے چلانے لگا۔ بھاگنے کا کوئی چانس نہیں تھا اور میں خود کو بچانے کے لیے رونے لگی۔ وہاں لوگ جمع ہوگئے اور میرے گھر والوں کو بلانے کی بات کرنے لگے میرا ڈر کے مارے برا حال تھا کہ یہ بات گھر تک پہنچی تو خوب مار پڑے گی۔ سائیکل کسی مہمان کی تھی اسے چھوڑ بھی نہیں سکتی تھی۔ بڑی مشکل سے جان چھوٹی۔ کسی طرح سائیکل لے کر گھر تک آئی۔ اسے کھڑا کیا اور دبے پاؤں اوپر والے کمرے میں جا کر دروازہ بند کرلیا کہ کہیں گھر والوں کو اس بات کا پتہ نہ چل جائے۔ آج بھی کسی بچے کو سائیکل پر سواری کرتے دیکھتی ہوں تو مجھے اپنے بچپن کا واقعہ یاد آ جاتا ہے۔

ناظمہ پروین

س: بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

ج: کوئی خاص مصنف نہیں بلکہ چھوٹی چھوٹی بلیک اینڈ وائٹ کہانیوں کی کتابیں ملتی تھیں۔ انھیں پڑھا کرتے تھے۔ علامہ اقبال کی 'ایک پہاڑ اور گلہری' اور 'مکڑا اور مکھی' دو نظمیں، بہت اچھی لگتی تھیں۔

س: بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

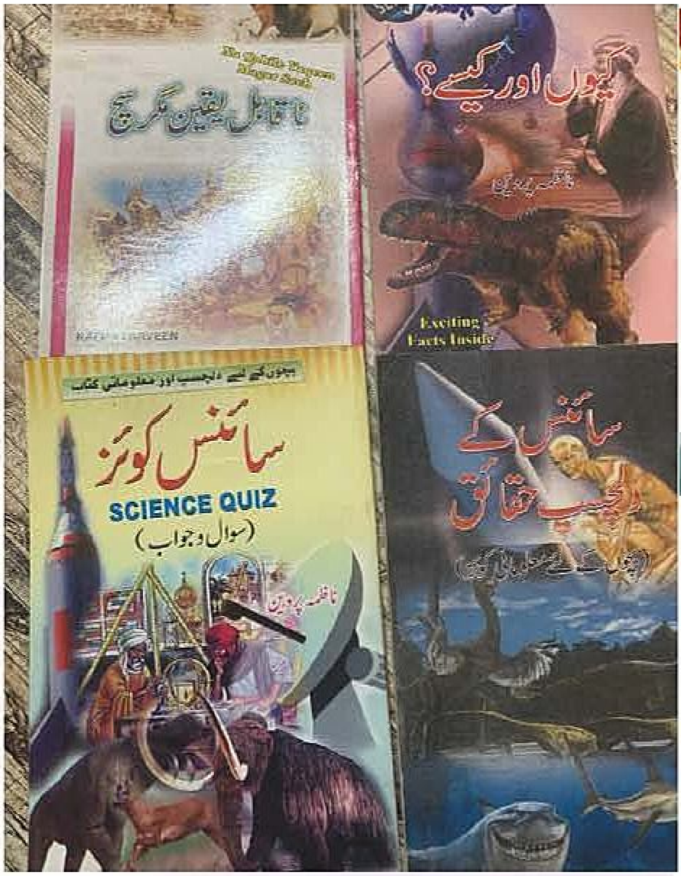

ناظمہ پروین کی کتابوں کے عکس

ج: اس سوال کا جواب مشکل ہے۔ اکثر سستی کتابیں آتی تھیں۔ جن پر کسی مصنف کا نام نہیں ہوتا تھا۔ دیو اور پریوں کی کہانیاں اچھی لگتی تھیں۔

س: بچپن میں کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

ج: ہمارے اسکول میں ہندی کے رسالے زیادہ آتے تھے اور بچوں کو وہی پڑھنے پڑتے تھے۔ بچوں کے رسالے تو شادی کے بعد سسرال آکر پڑھے۔ ہمارے شوہر پاکستان سے کئی رسالے لے کر آتے تھے۔ وہ بہت اچھے لگے۔ ایک دن جامع مسجد سے پیام تعلیم خریدا تھا ایک سستا اور اچھا رسالہ تھا۔

س: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

ج: میں نے جنرل نالج اور عالمی معلومات پر کافی کتابیں پڑھی ہیں اور میرا خیال ہے آج کے دور میں اس قسم کی کتابیں بچوں کے لیے زیادہ آنی چاہئیں کیونکہ یہ دور زیادہ سے زیادہ نالج اور مقابلے کا ہے۔

س: زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟

ج: ہمارے خیال میں علامہ اقبال اور مائل خیر آبادی بہتر ہیں۔

س: مستقبل اور اپنے کیریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

ج: والدین کی ذمے داری ہے کہ بچوں کو دینی کتب پڑھنے کو دیں۔ سیر وسیاحت، سائنس اور معلومات عامہ کی کتابیں بچوں کے لیے مفید ہیں۔

س: آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

ج: ایک مرتبہ کچھ عجیب وغریب جانداروں کے بارے میں پڑھا تو پلے ٹی پس پر ایک مضمون لکھ کر امنگ میں بھیجا۔ مضمون شائع ہوگیا اور لوگوں نے پسند بھی کیا۔ ہم نے بچوں کی دنیا اور کشمیر سے شائع ہونے والے روزنامہ 'لازوال' میں بھی کئی کہانیاں اور مضامین بھیجے۔ ہمارا اپنا رسالہ 'دین دنیا اور طب' شائع ہوتا تھا۔ اس میں کافی مضامین اور کہانیاں آئیں۔

س: آپ کی پہلی تخلیق کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

ج: پہلی کہانی ہندی رسالے میں اور اردو میں پہلا مضمون 'امنگ' میں شائع ہوا۔

س: آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

ج: میں نے سائنس اور معلومات پر لکھا ہے۔

س: کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

ج: کتاب لکھنے سے پہلے بچوں کی ضرورت اوران کی نفسیات جاننا ضروری ہے اور یہ بھی کہ آپ کی کتاب موضوع کے اعتبار سے ایسی ہو کہ لوگ اسے پڑھنا ضروری سمجھیں۔ الحمدللہ ابھی تک پانچ کتابیں آچکی ہیں اور بچوں نے ہاتھوں ہاتھ لی ہیں۔

س: بچوں کے لیے لکھتے وقت آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ج: کیسی دقت؟ بچوں کے لیے لکھتے وقت بڑا مزہ آتا ہے کیونکہ خود بچہ بن کر سوچنا پڑتا ہے۔

س: ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقوں میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

ج: بھئی اس سے زیادہ کیا قدردانی ہوسکتی ہے کہ ہمیں تین سرکاری اعزاز مل چکے ہیں اور دو کتابوں کے دوسرے ایڈیشن بھی ختم ہوگئے ہیں۔

س: کیا آپ بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟

ج: جی ہاں، دوسرے ادیبوں کو پڑھنے سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔

س: انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟

ج: انگریزی کا تو مجھے معلوم نہیں لیکن ہندی میں چمپک اور ٹونکل اچھے رسالے ہیں۔

س: کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

ج: اردو کے رسالے کسی سے کم نہیں ہیں۔

س: بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہورہے ہیں ان کے مواد اور زبان وبیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: کوئی بھی چیز مکمل نہیں ہوتی۔ کمی ہر شے میں ہوتی ہے۔ پھر بھی جو لوگ اردو کے رسالے نکال رہے ہیں وہ قابل ستائش ہیں۔ سبھی رسالے اچھے ہیں۔

س: معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: ادب اطفال کو عالمی تناظر میں دیکھیں تو ہم یوروپ اور جاپان سے بہت پیچھے ہیں۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

ج: جہاں تک ہمارے ملک کا تعلق ہے تو یہاں قومی یکجہتی، احترام آدمیت اور سائنسی فکر کو ادب کے ذریعے فروغ دینے کی زیادہ ضرورت ہے۔

س: بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز ومشورے؟

ج: بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جائے تو بہتر ہے اس کے علاوہ ہندوستانی تمدن اور مذاہب کی تعلیمات بھی ضروری ہے۔

س: ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

ج: اس میں کچھ صفحات بچوں کے لیے مختص ہونے چاہئیں۔ کسی موضوع پر بچوں کی رائے مانگی جائے اور بچے کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کریں اور وہ ان صفحات میں شامل ہوں۔ ماضی میں مسلمانوں کی تمدنی اور سائنسی خدمات پر بھی کچھ مواد مستقل آنا چاہیے۔

س: بچوں کے لیے کوئی پیغام؟

ج: انسان جس معاشرے میں پرورش پاتا ہے وہ معاشرہ اسے بہت کچھ دیتا ہے۔ اس لیے ہمیں ابھی سے اپنے سماج کی بھلائی کا سوچنا چاہیے اور بڑے ہوکر ایسا انسان بننا چاہیے جو اپنے سماج اور قوم کے کام آئے۔

■

Nazma Parveen
2793, Pahari, Bhojla
Delhi - 110006

اردو زبان کا جادو

حلیمہ فردوس

ریان کی عمر کوئی سات یا آٹھ سال کی رہی ہوگی مگر وہ دل میں جو ٹھان لیتا اسے پورا کیے بنا چین نہیں آتا تھا۔ آج کل اس کے پڑوسی نانا حضرت اور زبیر سے دوستی ہوگئی تھی۔ وہ زبیر کے ساتھ خوب کھیلتا اور مزے مزے کی کہانیاں سننے کے لیے نانا جان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ ان کے بات کرنے کا انداز اسے بہت پسند تھا۔ ویسے ان کے گھر کے سارے لوگوں کی گفتگو ریان کو اچھی لگتی تھی وہ نانا جی کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا مگر یہ الفاظ ہیں کہ تتلیوں کی طرح اڑ جاتے۔

ایک دن نانا جی نے سوال کیا ”ریان بیٹا! آپ کے ابا حضور کے مزاج شریف کیسے ہیں؟

وہ یہ سن کر تھوڑا سا سٹپٹایا۔ یہ شریف کون ہے۔ ذرا سا دماغ پر زور ڈال کر جواب دیا۔ بابا کے مزاج ٹھیک ہیں۔“

نانا اسے سمجھانے لگے ”بیٹا میں نے ان کی خیریت دریافت کی ہے۔ اس لیے تمھارا جواب یوں ہونا چاہیے تھا۔ الحمدللہ وہ خیریت سے ہیں۔ پھر وہ کہانی سنانے لگے۔ وہ کہانی سنا رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ انھوں نے نوکر رشید کو آواز دی ”کوئی ہے؟ دروازے پر دستک ہو رہی ہے۔

دروازے سے زبیر کتے کو گودی میں لیے داخل ہوا۔ نانا غصّے سے لال پیلے ہوگئے۔ کہنے لگے۔ ”زبیر تمھاری عقل کیا گھاس چرنے گئی ہے؟ اِس کتے کے پلّے کو کہاں رکھوگے۔ دیکھو ریان کس قدر شریف ہے۔“ وہ ایسی حرکتیں نہیں کرتا۔“

نانا کی باتیں سن کر زبیر پیر پٹکتا ہوا چلا گیا اور ماحول بگڑتا دیکھ کر ریان گھر لوٹ آیا۔ راستہ بھر سوچتا رہا کیا عقل بھی جانوروں کی طرح گھاس چرتی ہے؟ ایک اور بات اسے پریشان کرتی رہی۔ نانا جی نے ڈیڈی کو شریف کیوں کہا؟ گھر پہنچتے پہنچتے لفظ شریف کی جگہ غریب اس کے ذہن میں بیٹھ گیا۔

گھر پہنچا تو دیکھا ڈیڈی تھکے ہارے دفتر سے لوٹے تھے۔ انھیں دیکھ کر ریان نے سوال کیا۔ ”ابا حضور آپ کا مزاج غریب کیسا ہے۔؟ ریان کا سوال سن کر وہ پریشان ہوگئے پہلے سنبھلے پھر انھوں نے سوال کیا۔ پیارے بیٹے یہ تو بتاؤ! ہم کب ڈیڈی سے ابا حضور بن گئے۔ یہ مزاج غریب کیا بلا ہے۔ آج تم عجیب وغریب باتیں کیوں کر رہے ہو؟

ریان اپنے ابو جی کو سمجھانے لگا ” آج سے ڈیڈی ممی نہیں چلے گا۔ ہم آپ دونوں کو اپنی پیاری اردو زبان میں مخاطب کریں گے۔“

ریان کے ابو کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔ کیا کہا اردو زبان میں۔ مخالف کریں گے۔ اس کا کیا مطلب؟ صاحبزادے وہ مخالف نہیں مخاطب ہے اور مزاج غریب نہیں مزاج شریف ہے۔"

وہ کہنے لگا" ہاں یاد آیا والد محترم، نانا جی بھی یہی کہہ رہے تھے۔

ریان کی باتیں سن کر اس کی مما ہنستے ہوئے کہنے لگیں۔

"ہمارے پرنس کو اردو میں گفتگو کرنے کا دورہ پڑا ہے۔"

مما کی باتیں سن کر ریان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ وہ اپنی امی سے مخاطب ہوا۔

"امی محترمہ! آپ خدا کے لیے ہمیں پرنس نہ کہیے۔ شہزادہ بیٹا کہیے۔ دیکھیے کانوں کو بھی کس قدر بھلا لگتا ہے۔"

"امی نے جواب دیا" اچھا صاحبزادے ایسا ہی ہوگا مگر میری ایک شرط ہے ہم تینوں میں جو بھی انگریزی لفظ استعمال کرے گا۔ اُسے ایک ٹافی فائن دینی ہوگی۔ ریان کی زبان سے نکلا "توبہ یہ ٹافی فائن یہ کیا؟" وہ اخبار پڑھنے میں مگن ابا حضور کو جھنجھوڑتے ہوئے کہنے لگا" آپ کو انگریزی الفاظ کے استعمال پر میٹھی گولی کا جرمانہ منظور ہے" ابو اس کی بات سُن کر ہکا بکا رہ گئے۔ کہنے لگے "میٹھی گولی کیا ہے جناب؟ ریان اپنا سر پکڑ کر سمجھانے لگا۔ آپ دونوں کے ساتھ بہت مشکل ہے میٹھی گولی جو رنگین کاغذ میں لپٹی ہوتی ہے۔"

"اچھا سمجھا۔ تم چاکلیٹ کے بارے میں کہہ رہے ہو۔ چلیے شرط منظور ہے؟

دوسرے دن ریان مدرسہ سے گھر آنے کے بعد منہ پھلائے بیٹھا رہا۔ اس کی امی نے پوچھا راجا بیٹا کیا بات ہے۔ منہ پھول کر بلون کیوں ہوگیا ہے" امی کی زبانی یہ جملہ سن کر وہ اچھل پڑا۔ "امی محترمہ غبارہ کہیے غبارہ۔ لائیے ایک میٹھی گولی۔ ایسے میں ریان کی امی کو مذاق سوجھا۔ انھوں نے چھیڑتے ہوئے کہا" میں نے جان بوجھ کر وہ لفظ استعمال کیا تھا۔ خیر جانے دو ہم نے تمھارے برتھ ڈے کی تیاری کر لی ہے۔ اپنے دوستوں کو بتا دینا۔"

"امی کی زبانی خوش خبری سن کر ریان کا چہرہ کھل اُٹھا... امّی محترمہ! خدا کے لیے سال گرہ کہیے۔"

وہ سمجھ رہا تھا کہ امّی اور ابّو دونوں کو اس کی سال گرہ یاد نہ ہوگی۔ وہ خوشی سے امی سے لپٹ گیا اور پوچھنے لگا۔" امی حضور! کیا میری سال گرہ کے لیے میٹھا نرم گنبد کا حکم دے دیا۔

امی پیار سے اس کے کان مروڑتے ہوئے کہنے لگیں۔

یہ میٹھا نرم گنبد کیا بلا ہے؟

ریان۔ امی جان وہی ہر سال کاٹا جاتا ہے نا۔

امی۔ "اچھا تو تم کیک کے بارے میں کہہ رہے ہو۔ ریان کی امی نے لمبی سانس لی۔ بیٹا تم غضب کا ترجمہ کرنے لگے ہو۔ اللہ بچائے تمھاری اس دیوانگی سے۔ ریان کے سر پر سال گرہ کا بھوت سوار تھا۔ وہ خوشی سے کہنے لگا۔" تو پھر میں اپنے دوستوں کو پیغام بھیجتا ہوں۔" امی، بیٹے کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ ریان نے جھٹ سے امی کا موبائل لیا اور میسج ٹائپ کرنے لگا۔

دوستو! میری سال گرہ کی دعوت قبول کرنا۔ اس بار تم سب میری سال گرہ پر میٹھا نرم اور رسیلا گنبد دیکھ کر حیران ہو جاؤ گے۔ ایک اور بات اس سال آلو کے قتلے اور گوند کے بلبلے کے لیے میں نے منع کیا ہے۔ میں تم سب کا انتظار کروں گا۔

ریان کی ٹائپنگ ختم ہوتے ہی امّی فون پر لکھے ریان کے پیغام کو پڑھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں "میری جان! تم نے یہ کیا لکھا ہے۔ تمھارے دوست اس پیغام کو پڑھ کر پریشان ہو جائیں گے۔ میٹھا رسیلا گنبد، گوند کے بلبلے اور آلو کے قتلے۔ ہائے اللہ کون سمجھے گا۔ تم کیک، ببل گم اور چپس کی

بات کررہے ہونا؟

ابھی ماں بیٹے کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ ریان کے ابو گھر میں داخل ہوئے۔اس کی امی نے ابو کے ہاتھ میں موبائل تھماتے ہوئے کہا"دیکھیے آپ کے بیٹے پر اردو کا جادو چل گیا ہے وہ اردو میں گفتگو کرنے کے چکر میں اردو کا جنازہ نکال رہا ہے۔

ریان کے ابو بھی یہ پیغام پڑھ کر لوٹ پوٹ ہوگئے۔ کہنے لگے۔ صاحبزادے خالص اردو بولنے کی کوشش کرنا مگر خدا کے واسطے انگریزی لفظوں کو اردو کا لباس مت پہنانا۔سمجھے برخوردار؟ ریان نے کہا"سمجھ تو گیا پر یہ برخوردار کہاں سے آگیا۔"

ابو نے جواب دیا"صاحبزادے ہی کو برخوردار کہتے ہیں۔"

اچھا ابو حضور ہم آپ کے جیب پر بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے۔ہمیں اپنی سال گرہ پر کوئی مہنگا تحفہ نہیں دو چار اچھی سی کہانیوں اور نظموں کی کتابیں لادیں۔

ریان کی امی جو اب تک باپ بیٹے کی گفتگو غور سے سن رہی تھیں، کہنے لگیں واہ واہ میرے نور نظر، لخت جگر ایک دن تم اردو داں بن جاؤ گے۔ ابو نے شاباشی دیتے ہوئے چٹکی لی "ہمارے ریان میاں اردو داں بھی بنیں گے اور سائنس داں بھی بنیں گے۔

ریان بڑے جوش سے کہنے لگا"جی ہاں ابا حضور ایک دن میں سائنس داں اور اردو داں بن کر ہی رہوں گا۔

امی نے ریان کو گلے لگاتے ہوئے کہا میرا ہونہار بیٹا سائنس داں اور اردو داں بن کر خاندان کا نام روشن کرے گا۔ ■

Dr. Haleema Firdaus
414-A1, Ganga Block
National Games Village
Koramangla,Bangalore- 47 (Karnataka)

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.............. بتاریخ..............

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 9009201004532 6، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

محمد طارق

خمیازہ

آم کا پیڑ بانجھ تھا۔ دیہات کے بزرگ اس آم کے پیڑ کو آسیب زدہ کہا کرتے تھے۔اس کے تعلق سے ایک کہانی برسوں سے سینہ بہ سینہ چلی آ رہی تھی۔

کہانی کچھ اس طرح تھی:

ایک آدمی نے آم کا پیڑ لگایا تھا۔اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔اس نے آم کے پیڑ کی ایک اولاد کی طرح پرورش کی تھی جب آم کا پیڑ پھل دینے لائق ہوا تو وہ آدمی مر گیا۔

اس آدمی نے مرنے سے قبل اپنے بھتیجے کو وصیت کی تھی کہ ”بیٹا! میں نے اپنا کھیت تمھارے نام کر دیا ہے، لیکن کھیت میں جو آم کا پیڑ ہے تم اس پر قبضہ مت کر لینا، میں نے وہ پیڑ اپنے گاؤں کے بچوں کے لیے لگایا ہے، گاؤں کے بچے گرمیوں میں اس آم کے پیڑ کی گھنی، ٹھنڈی چھاؤں میں کھیلا کریں گے، تم انھیں مت روکنا۔“

”ہاں، تایا جان!“ بھتیجے نے قریب المرگ تایا کے سامنے فرمانبرداری کا اظہار تو کیا تھا لیکن جب آم کا پیڑ پھلوں سے لد گیا تو وہ اس کی دن رات چوکیداری کرنے لگا، کیا مجال کہ گاؤں کا کوئی بچہ اس آم کے پیڑ کے قریب بھی پھٹکے۔

ایک دن گاؤں کے کچھ بچے اس کی غیر حاضری میں آم کے پیڑ پر چڑھ گئے۔آم کا پیڑ گاؤں کے قریب ہونے کی وجہ سے اسے فوراً خبر مل گئی۔

وہ فوراً کندھے پر لاٹھی لیے تقریباً دوڑتے ہوئے کھیت میں پہنچا۔اسے دیکھتے ہی سب بچے درخت سے اتر کر بھاگ گئے لیکن ایک بچہ جو عمر میں چھوٹا تھا بغیر مدد کے درخت پر چڑھ سکتا تھا نہ اتر سکتا تھا، رونے لگا۔

وہ لاٹھی اٹھائے درخت کے نیچے کھڑا چلا رہا تھا۔”اتر... نیچے اتر... ماروں گا، اترا!“

”مجھے اترنا نہیں آتا... اتار دو نا، اب میں کبھی پیڑ پر نہیں چڑھوں گا۔ مجھے اتار دو نا، میں نے ایک آم بھی نہیں کھایا!“ بچہ گڑگڑانے لگا۔

”اتر... لاٹھی پھینک کر ماروں گا تو تو ابھی پکے آم کی طرح نیچے ٹپک پڑے گا۔“

”ماروں——!“ جیسے ہی اس نے لاٹھی اٹھائی، بچے کے ہاتھ سے شاخ چھوٹ گئی۔وہ نیچے سر کے بل ایسا گرا کہ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور سر میں ایسی چوٹ لگی کہ وہ اسی جگہ

مر گیا۔

تب سے ہی اس آم کے پیڑ کے نیچے رات کے وقت بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔ بچے کی آتما آسیب بن کر پیڑ پر منڈلاتی رہتی ہے۔ یہ بات سارے دیہات میں ایسی مشہور تھی کہ لوگ مارے خوف کے اس آم کے پیڑ کے قریب سے دن میں بھی نہیں گزرتے تھے۔

حالانکہ دیہات اب پہلے جیسا دیہات نہیں رہا تھا۔ دیہات میں اسکول تھا، کالج تھا، لوگ تعلیم یافتہ بنتے جا رہے تھے۔ بھوت پریت کی کہانیاں من گھڑت قصے سمجھے جانے لگے تھے۔ تاہم اس آم کے پیڑ سے اکثر دیہاتی خوف زدہ ہی رہا کرتے تھے۔

کہتے ہیں جب سے بچہ درخت سے نیچے گر کر مرا تھا تب سے آم کے پیڑ پر آم آنا بند ہوگئے تھے۔ آم کا پیڑ بانجھ ہو چکا تھا۔

آج برسوں بعد اس آم کے پیڑ پر بہار آئی تو گاؤں والوں کے شعور میں سویا ہوا خوف بیدار ہو گیا۔ آم کے پیڑ کے تعلق سے نت نئی کہانیاں جنم لینے لگیں۔ گھر گھر، دہشت ناک، خوف ناک کہانیوں کے چرچے ہونے لگے۔ رام پرساد کا گھر بھی ان گھروں میں شامل تھا۔

رام پرساد آم کے پیڑ کے مالک کا بیٹا تھا۔

جب رام پرساد نے اپنے گھر میں آم کے پیڑ کے تعلق سے آسیبی کہانیوں کا تذکرہ سنا تو بیوی سے بولا ”سب بکواس ہے، لوگ میرے پتا جی سے جلتے تھے اس لیے انھیں بدنام کرنے اور آم کی فصل سے ہم لوگ فائدہ نہ اٹھا پائیں اس لیے من گھڑت آسیبی کہانیاں گھڑی جا رہی ہیں، میں اب ان ساری کہانیوں کو ایک افواہ نہ ثابت کردوں تو میرا نام رام پرساد نہیں!“ رام پرساد پراعتماد لہجے میں کہنے لگا تھا۔

”کیا کروگے تم؟“ بیوی نے پوچھا۔

”میں روز رات میں آم کے پیڑ کی چوکیداری کروں گا۔“

”نہیں— بھگوان کے لیے ایسا مت کرنا، ہمیں آم کی فصل سے کیا لینا دینا۔“

”بات آم کی فصل کی نہیں... بات ہے ان من گھڑت کہانیوں کی جس کی بنیاد لوگ میرے پتا جی کو بتاتے ہیں... میں آم کی فصل کی چوکیداری کر کے ثابت کردوں گا کہ آم کے پیڑ پر کوئی بھوت نہیں رہتا، بچے کی آتما نہیں روتی۔“

”تمھارے ثابت کرنے سے کیا ہونے والا۔ اندھ وشواسی لوگ افواہوں کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں۔ اگر ان کے سامنے سچائی بھی آجائے تو وہ اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں“ بیوی اسے سمجھانے لگی۔ ”لوگ میری بات کو مانیں یا نہ مانیں، میں آم کی فصل کی چوکیداری کے لیے جاؤں گا اور گاؤں والوں نے میرے پتا جی کے کردار پر جو داغ لگایا ہے اسے صاف کردوں گا۔“ رام پرساد نے بیوی کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔

دوسرے روز سے ہی رام پرساد نے اپنے فیصلے پر عمل شروع کر دیا۔

وہ روز رات کے وقت آم کے پیڑ کی چوکیداری کے لیے جانے لگا۔ اس نے پیڑ کے نیچے آرام کرنے کے لیے ایک جھونپڑی بھی بنالی تھی۔

ایک رات... وہ اماوس کی سیاہ رات تھی۔ آسمان پر ٹمٹماتے ستارے بھی خوف زدہ لگ رہے تھے۔ سارے ماحول پر گہری سیاہ تاریکی کی چادر تنی ہوئی تھی۔ ہوا ساکت تھی۔ اتنی خاموشی کہ لگ رہا تھا جیسے درخت سانس روکے کھڑے ہوں۔

رام پرساد لاٹھی کندھے پر رکھے درمیانی چال سے گاؤں کی سرحد پار کرکے کھیتوں کے درمیان سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی سے ہوتے ہوئے جیسے ہی آم کے پیڑ کے قریب پہنچا عقب سے بچے کے رونے کی آواز سنی۔ اتفاق سے وہ آج ٹارچ بھی ساتھ نہیں لایا تھا۔

بچے کے رونے کی آواز قریب سے قریب تر آرہی تھی۔

رام پرساد کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ خوف کے احساس سے اس کے سارے بدن میں جھرجھری سی آگئی۔ مساموں سے جیسے چیونٹیاں نکلنے لگیں۔ دل کانوں میں دھڑکنے لگا مگر ہاتھ میں لاٹھی کا خیال آتے ہی اس کا حوصلہ بڑھا۔ ہمت کرکے اس نے بچے کے رونے کی آواز کی سمت لاٹھی چلانا شروع کردی..

—— بچے کے رونے کی آواز بند ہوگئی تھی۔

رام پرساد لاٹھی چلاتے چلاتے پسینے میں شرابور ہوگیا تھا۔ ابھی اس کے حواس درست بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس نے دیکھا کوئی اس کی طرف ٹارچ لیے تیزی سے آرہا ہے... ٹارچ کی روشنی میں اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

''کون ہے... کون ہے!'' رام پرساد اپنی آنکھوں کے سامنے ہاتھ کا شیڈ بنا کر حواس باختہ چیخا۔

''میں ہوں... کملا!'' رام پرساد کی پتنی ہانپتے ہوئے کہنے لگی ''تمھارے پیچھے پیچھے راجو آیا تھا——، کہاں ہے راجو... میں نے اسے منع کیا تھا مگر وہ مانا نہیں، خاموش تمھارے پیچھے نکل گیا۔ میں رسوئی گھر میں ہی تھی—— کہاں ہے راجو... راجو... راجو...!'' وہ دیوانہ وار چیخی۔

''نہیں——!'' رام پرساد کا دل جیسے سینے سے اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔ گھبرا کر کہنے لگا ''راجو میرے پیچھے نہیں آیا—— نہیں آیا وہ میرے پیچھے... نہیں آیا... میرے پیچھے وہ بچہ... وہ بھوت... ہاں——، اس کی آتما رو رہی تھی... وہ... وہ.... وہاں جھاڑی میں...

رام پرساد نے جھاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا سارا بدن لرزے کے مریض کی طرح کانپ رہا تھا۔

رام پرساد کی بیوی نے ٹارچ کی روشنی میں جیسے ہی جھاڑی کے اندر دیکھا—— سرتاپا لرز گئی۔ ٹارچ اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔

وہ ایک فلک شگاف چیخ مار کر رو پڑی۔

''راجو——!''

''یہ کیا کر ڈالا تم نے—— کیا کر ڈالا... آں... آ، کیا کر ڈالا جی... وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو پیٹ کر دہاڑیں مار کر رو رہی تھی... ''یہ اپنا راجو ہے نا... دیکھو یہ اپنا اکلوتا راجو... آں... آں... آں...''

جھاڑیوں کے اندر خون میں لت پت راجو کی لاش پڑی تھی۔

(تعارف اکتوبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Mohd Tarique
Inamdar House
Post: Kholapur
Distt: Amravati - 444802 (Maharashtra)
Mob.: 8055503366

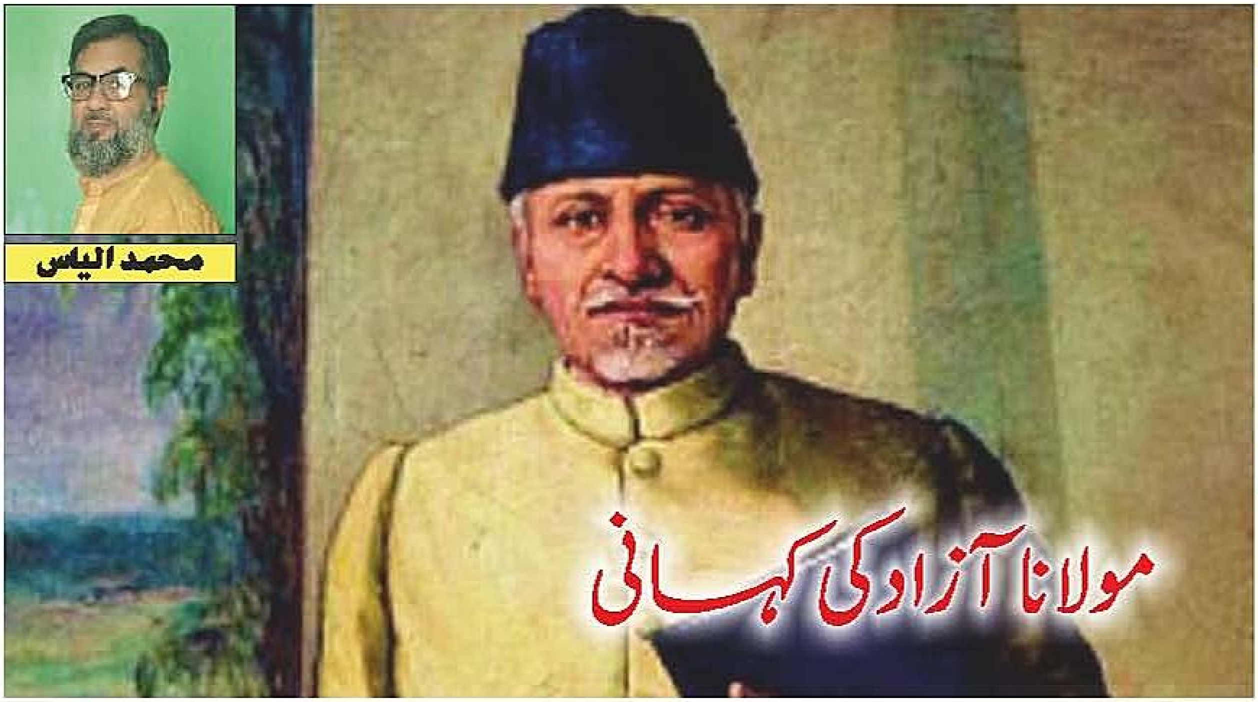

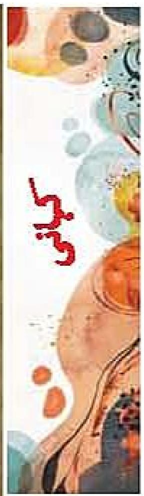

مولانا آزاد کی کہانی

محمد الیاس

اعظم آج اسکول سے واپس آیا تو بہت خوش تھا، روزانہ عام طور پر اس کے چہرے پر تھکن کے آثار ہوتے تھے، آتے ہی کھانا مانگتا تھا، اس کو دیکھ کر اس کی امی بھی چونک گئیں، کہنے لگیں آج کیا خاص بات ہے۔

”آج ہماری اردو کی میم نے ایک بڑی اچھی بات بتائی ہے جو میرے دل ودماغ میں اتر گئی“ اعظم نے جواب دیا۔

امی کو بھی تجسس پیدا ہوگیا، کہنے لگیں ”وہ کیا بات ہے ذرا ہمیں بھی تو پتہ چلے۔“

”میم نے بتایا کہ ہمارے ملک کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد جب بچے تھے تو وہ عام بچوں کی طرح کھیل نہیں کھیلتے تھے، ان کے کھیل بھی عام بچوں سے مختلف تھے۔“

میں نے ان سے پوچھا ”تو پھر وہ کس طرح کھیلتے تھے؟“ تو انھوں نے بتایا ”اپنے گھر کے کپڑے رکھنے کے بکس انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں آگے پیچھے لائن سے رکھ لیے اور اپنے گھر والوں سے کہنے لگے دیکھو یہ صحن نہیں ریلوے اسٹیشن ہے اور یہاں پر یہ بکس نہیں ریل آئی ہے۔ اب ہم اس ریل میں سے اتریں گے۔ آپ سب لوگ ہمارا استقبال کریں گے، ہمارے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالیں گے کیونکہ ہم اس ملک کی حکومت کے ایک وزیر ہیں۔“

اعظم نے اپنی امی سے پوچھا کہ کیا واقعی ایسے ہی تھے ہمارے ملک کے پہلے وزیر تعلیم مولانا آزاد؟

امی کہنے لگیں ہاں بیٹا وہ ٹھیک ہی کہتی ہیں وہ تو صرف دس سال کے تھے جب ہندوستان آئے تھے کیونکہ ان کی جائے ولادت تو مکہ (سعودیہ عربیہ) ہے اور وہ 11 نومبر 1888 کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں ایک اور حیرت انگیز بات تمھیں بتاؤں؟

اعظم کے ذہن میں تجسس پیدا ہوگیا۔ اس نے کہا ضرور بتائیے۔

”وہ اتنے ذہین تھے کہ کسی اسکول یا کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے نہیں گئے، سب کچھ انھوں نے اپنے گھر پر ہی پڑھا اور ایسی استعداد پیدا کی کہ انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور قرآن کا ترجمہ اور تفسیر بھی لکھی۔ کم

عمری میں ہی ملک کی آزادی کی تحریک سے وابستہ ہوگئے اور بابائے قوم مہاتما گاندھی کے بڑے قریبی ہوگئے۔ انھوں نے کئی سال تک جیل کی سزا بھی کاٹی اور جیل کے اندر بھی ان کے لکھنے پڑھنے کا کام ایسے ہی جاری رہا اور جیل کے اندر رہ کر بھی انھوں نے بہت کچھ لکھا۔

ان کی قابلیت کو دیکھ کر اتر پردیش کی پہلی گورنر اور مجاہدۂ آزادی سروجنی نائیڈو نے ان کے بارے میں کیا کہا تھا تمھیں معلوم ہے۔

''مجھے نہیں معلوم'' اعظم امی کی باتوں کو بڑے غور سے سن رہا تھا۔

سروجنی نائیڈو نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ "مولانا ابوالکلام آزاد جب پیدا ہوئے تھے تو ان کی عمر پچاس سال تھی۔"

''اچھا! اتنے قابل تھے مولانا آزاد؟''

''ہاں اسی لیے تو ان کے یومِ ولادت کو 'یومِ تعلیم' کے طور پر منایا جاتا ہے، چھوٹے بڑے بہت سے تعلیمی اداروں میں اس دن جلسے اور تقریبات منعقد ہوتی ہیں اور مولانا آزاد کی سیرت اور ان کی خدمات پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور ان کی حب الوطنی اور ایثار کی ایک اور مثال بتاؤں؟''

''ضرور بتایئے'' اعظم امی کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

''انھوں نے گاندھی جی کے ساتھ ''بھارت چھوڑو تحریک'' میں بڑے زور شور سے حصہ لیا اور یہی نہیں بلکہ ہندوستان کے عوام کو آزادی کی لڑائی میں حصہ لینے کی بھی ترغیب دی اور آخرکار تمام مجاہدین آزادی کی کوششوں سے ہندوستان 15 اگست 1947 کو آزاد ہوگیا اور آزاد ہندوستان کی پہلی حکومت بنی تو مولانا ابوالکلام آزاد ہندوستان کے پہلے وزیرِ تعلیم بنائے گئے یعنی جو کھیل وہ اپنے بچپن میں کھیلتے تھے، ان کا جو اندازِ فکر تھا یا بچپن میں ان کی فکر جس بلندی پر تھی وہ بلندی ان کے حب الوطنی کے جذبے، ایثار و خلوص کے ذریعے ان کو حاصل ہوگئی۔

''پھر تو وہ بڑے دولت والے ہوں گے؟'' اعظم نے سوال کیا۔

''نہیں بیٹے، انھوں نے یہ سب کچھ دولت کے لیے نہیں کیا، بلکہ اپنے وطن کی خدمت کے لیے کیا۔ جانتے ہو بیٹے وہ 12 سال تک مرکزی حکومت میں وزیرِ تعلیم رہے اور 22 فروری 1958 کو جب ان کا انتقال ہوا تب وہ کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔

''اچھا وہ اتنے صابر و شاکر انسان تھے۔ میں نے سنا ہے آج کل کے وزیر تو بڑے مالدار ہوتے ہیں؟'' اعظم حیرت میں پڑ گیا۔

''ہاں بیٹے! وہ اتنے صابر و شاکر اور درویش صفت انسان تھے، ان کی زندگی کا ایک مقصد تھا اور وہ مقصد تھا انگریزوں کو ملک سے بھگانا اور اپنے وطن میں اپنا نظام قائم کرنا تا کہ اللہ کے بندوں کی زندگی میں امن و سکون پیدا ہو۔

''یعنی انھوں نے ملک کو فرنگیوں سے آزاد کرانے کا ایک نشانہ اپنے دل و دماغ میں مقرر کر لیا تھا۔'' اعظم نے سوال کیا۔

''ہاں بیٹے! جو لوگ بچپن میں ہی اپنی زندگی کا مقصد طے کر لیتے ہیں اور پھر ایمانداری سے اسے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرتا ہے۔ انھوں نے انگریزوں سے ملک کو آزاد کرانے کا تہیہ تو کیا ہی تھا قوم کی صحیح رہنمائی اور ہر ممکن خدمت کا جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔''

''مولانا آزاد کی زندگی کے حالات جان کر یہ ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟'' اعظم نے امی سے پوچھا۔

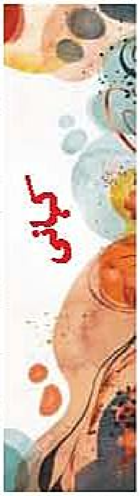

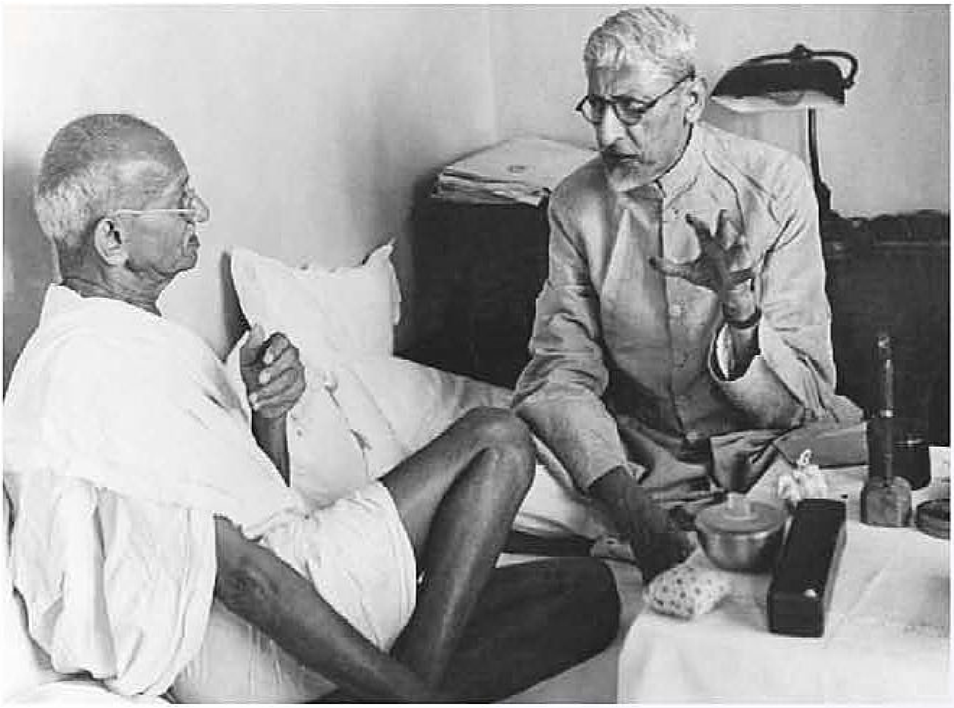

''ہاں بیٹے یہ تم نے بہت اچھا سوال کیا... امی نے کچھ توقف کے بعد کہا کہ ہر ایک کو اپنے بچپن میں ہی اپنی زندگی کا ایک اچھا مقصد طے کر لینا چاہیے اور پھر اسے حاصل کرنے کے لیے دل و جان سے محنت کرنی چاہیے۔''

''تو پھر مجھے اپنی زندگی کے لیے کیا ہدف مقرر کرنا چاہیے۔'' اعظم نے امی سے پوچھا۔

''ہاں یہ سوال سب سے زیادہ اہم ہے، میں اس کا جواب دیتی ہوں... ہر سال تقریباً ایک ہزار بچے یو پی ایس سی کے امتحان پاس کرتے ہیں اور وہ آئی اے ایس اور آئی پی ایس وغیرہ بنتے ہیں پھر وہ کسی بھی ضلع کے انتظامی یا پولیس افسر بنتے ہیں اور ان کو ایک معزز عہدہ ملتا ہے۔ اپنے ملک وقوم کی خدمت کرنے کا یہ بھی ایک اچھا طریقہ ہے۔'' امی نے وضاحت کی۔

''تو پھر ٹھیک ہے، میں نے اپنی زندگی کے لیے یہ ہدف مقرر کر لیا اور میں اس کام کو تکمیل تک پہنچا کر ہی رہوں گا۔'' اعظم نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

''ہاں بیٹے یہی پیغام ہے اس 'یوم تعلیم' کا۔'' اب تم کھانا کھاؤ اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اپنے مشن کی شروعات کرو۔

■

Mohammad Ilyas
385, Peetal Basti
Moradabad-244001 (UP)
Mob.: 9412838085

جواب

1	2015	2	ممبئی	3	ایڈم اسمتھ	4	نائٹروجن گیس
5	1995	6	23 مارچ 1931	7	ایپی تھیلیل ٹشو	8	8 مارچ
9	گنگا	10	آرکڈ	11	مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی	12	7 اپریل
13	1914	14	ریزرو بینک آف انڈیا	15	جان کام (Jan Koum) اور برائن ایکٹن (Brian Acton)	16	فورتھ جنریشن (چوتھی نسل)
17	1648	18	جنیوا، سوئزرلینڈ	19	1888	20	مولانا ابوالکلام آزاد

کہانی

خان حسنین عاقب

انوکھے دوست

آج اتوار کا دن تھا یعنی چھٹی کا دن۔ چھٹی یعنی کھیل کود، گپ بازی، ٹی وی، موبائل اور دوستی یاری ... ناشتہ کرنے کے بعد عدنان کھیلنے کے لیے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ چند ننھی منی، باریک سی آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں۔ کوئی اس کا نام لے کر پکار رہا تھا، عدنان، عدنان ...

عدنان نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا تو پتا چلا کہ جس کمرے میں وہ تھا، وہاں الماری سے چند کتابیں اپنی گردن نکال کر باہر جھانک رہی تھیں۔ یہ بچوں کے رسالے تھے، کہانیوں کی کتابیں بھی تھیں۔ چند ہلکی پھلکی معلوماتی کہانیوں کی کتابیں تھیں تو چند الف لیلی کی کہانیوں جیسی بھی... ساری دلچسپ اور مزیدار! لیکن انھیں پڑھتا کون؟ عدنان کے والدین نے بڑے چاؤ سے اس کے لیے یہ کتابیں خریدی تھیں لیکن اسے ارشد، اسامہ، زید اور احمد جیسے دوستوں سے فرصت ملتی تب وہ کتاب پڑھ پاتا۔ کتابیں الماری میں بند روتی بسورتی پڑی رہتیں۔ عدنان سمجھ نہیں پایا کہ یہ آوازیں نکال کون رہا ہے۔ اس نے ان آوازوں کو اپنا وہم سمجھا اور کھیلنے کے لیے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتا تھا۔ اسے کئی دنوں سے یہ آوازیں آرہی تھیں۔ وہ ان آوازوں کو وہم سمجھ کر نظرانداز کر دیتا۔

جلد ہی موسم گرما کی چھٹیاں شروع ہوگئیں۔ اففففف، دو مہینے لمبی چھٹیاں!

لیکن عدنان کے تو مزے تھے۔ اس نے سوچا تھا کہ اب چھٹیوں میں صبح شام دوست ساتھ ہوں گے، خوب مزے ہوں گے۔ ان کے ساتھ خوب کھیلوں گا، خوب موج مزے کروں گا، مستیاں کروں گا۔

لیکن یہ کیا؟

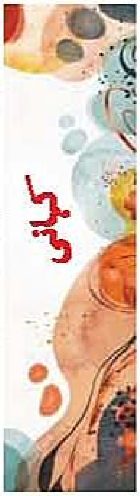

عدنان کے سارے دوست تو چھٹی شروع ہوتے ہی اِدھراُدھر ہو گئے۔

ارشد اور اسامہ اپنے ماموں جان کے گھر چلے گئے۔ زید اپنے والدین کے ساتھ پر فضا مقام پر سیاحت کے لیے نکل گیا۔ رہا احمد تو اس کے والد نے اسے ایک سمر کیمپ میں داخل کروا دیا تھا۔ یعنی اب عدنان میاں اکیلے!

کیا کریں کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

عدنان کی بہن میڈیکل امتحان کی تیاری کر رہی تھی اس لیے باہر جانے کی کوئی شکل نہیں تھی۔

عدنان ٹی وی اور موبائل کب تک دیکھتا؟

چند روز گزر چکے تھے۔ وہ اب بہت بور ہونے لگا تھا۔ موبائل میں بھی اسے وہ مزہ نہ آتا۔

ایک دن ایسے ہی وہ کمرے میں بیٹھا تھا کہ اسے پھر وہی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کوئی اسے پکار رہا تھا، 'عدنان، عدنان'۔

عدنان نے سوچا چلو ان آوازوں کی سچائی معلوم کریں کہ یہ کون ہے۔ اس نے دیکھا یہ آوازیں الماری کے اندر سے آرہی ہیں۔ اس نے الماری کھولی تو بچوں کے ایک رسالے کے اندر سے کوئی اسے آوازیں دے رہا تھا۔

اس کے پیچھے کہانیوں کی ایک کتاب سے بھی ایسی ہی آوازیں آرہی تھیں، لیکن یہ چھوٹی چھوٹی ننھی ننھی آوازیں اتنی کمزور تھیں کہ باہر کا شور ان پر حاوی ہو گیا تھا۔ عدنان نے بچوں کا رسالہ کھولا تو اسے کھلکھلا کر ہنسنے کی آوازیں سنائی دیں۔

یہ ہنسی ان کہانیوں اور نظموں کی تھیں جو رسالے کے صفحات پر جگمگا رہی تھیں۔ وہ کمرے میں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا اور رسالہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب تین گھنٹے گزر گئے اور کب اس نے پورا رسالہ ختم کر لیا۔ اتنے میں اسے امی کی آواز آئی جو اسے کھانا کھانے کے لیے پکار رہی تھیں۔

کھانا کھا کر وہ دوبارہ اسی کمرے میں آ گیا اور اس مرتبہ بچوں کی کہانیوں کی ایک کتاب کھولی۔ واہ، کیا دلچسپ کہانیاں تھیں!

وہ اس کتاب کو بھی ختم کر گیا۔ اسے ایسا لگا جیسے کہانیاں اس کے ساتھ وقت گزار کر بہت خوش ہو رہی ہوں۔ جب وہ کتاب ختم کر کے واپس الماری میں رکھ رہا تھا تو اسے شکریہ، شکریہ، شکریہ کی آوازیں سنائی دیں۔ ساری کہانیاں اور نظمیں اس کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔ وہ ہنس پڑا۔ اسے ایک نئی طاقت، نئے جوش کا احساس ہوا۔ اتنے میں امی بھی پریشان ہو کر تین مرتبہ اسے آوازیں دے چکی تھیں۔ لیکن انہیں معلوم تھا کہ بچہ اپنے کمرے میں پڑھ رہا ہے اس لیے اسے ڈانٹ نہیں پڑی۔

کتابوں کے ساتھ اسے تنہائی کا بالکل احساس نہیں ہوا اور نہ ہی دوستوں کی یاد آئی۔ اسے اپنے استاد کی بات بھی یاد آئی کہ کتابیں انسان کی تنہائی کی بہترین دوست ہوتی ہیں جو علم میں اضافہ بھی کرتی ہیں اور اخلاقی و ذہنی تربیت بھی کرتی ہیں۔ اب تو وہ روز کتابیں پڑھنے لگا۔ اسے ان کتابوں کو پڑھنے میں مزہ آنے لگا تھا۔ جب اس کے گھر کی کتابیں اور رسالے ختم ہو گئے تو وہ پڑوس کی لائبریری سے کتابیں لا کر پڑھنے لگا۔ اب یہ کتابیں اس کی دوست بن گئی تھیں، سچی اور بہترین دوست!

دوست بھی ایسی جنھیں جب چاہے جہاں چاہے ساتھ لے جایا جا سکتا تھا اور جو اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

آپ کب کتابوں سے دوستی کر رہے ہیں؟

اب آپ کی باری ہے۔

(تعارف اگست 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Khan Hasnain Aquib
G. N. Azad College
Pusad - 445204 (Maharashtra)
Mob.: 9423541874

فرزانہ اسد

آپ کا حکم سر آنکھوں پر

فرزانہ اسد کا تعلق ناگپور مہاراشٹر سے ہے۔ان کی شناخت کہانی کار کے طور پر ہوتی ہے۔اردو کے مشہور رسائل میں ان کی کہانیاں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ماحولیات سے متعلق مضامین کا مجموعہ 'آس پاس' شائع ہو چکا ہے۔ کچھ برسوں سے انھوں نے بچوں کے لیے کہانیاں لکھنی شروع کی ہیں۔ ترجمے سے بھی انھیں شغف ہے۔کئی زبانوں کی کہانیوں کو انھوں نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔فرزانہ اسد کو مہاراشٹر، بہار اور اتر پردیش اردو اکادمی انعامات حاصل ہو چکے ہیں۔

یہ کہانی کوریا کے ایک زمیندار کی ہے جس کی کوٹھی ایک بڑے خوبصورت اور پر سکون علاقے میں واقع تھی۔اس کے پاس مال و دولت کی کوئی کمی نہ تھی، کئی ملازم ہر وقت حکم بجا لانے کو تیار کھڑے رہتے تھے۔ دھیرے دھیرے اس کے گھر کے آس پاس مکانات تعمیر ہونے شروع ہوئے اور ان میں نئے نئے لوگ آکر بسنے لگے۔ایک وقت ایسا آیا کہ اس کی کوٹھی کے بالکل قریب دو مکانوں میں لوگ آکر بس گئے۔اس وقت زمیندار کہیں سفر پر گیا ہوا تھا۔جب وہ لوٹ کر آیا اور صبح اس کی آنکھ کھلی، حسب معمول چڑیوں کی پیاری سی چہچہاہٹ اسے سنائی دی، وہ بہت خوش ہوا۔کوئی گھنٹہ بھر نہ گزرا ہوگا کہ اسے عجیب عجیب سی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ 'ٹن ٹن ٹن ٹن... کر کر کر کر'۔

زمیندار بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیا مصیبت ہے۔ اس نے فوراً اپنے ایک ملازم کو دوڑایا کہ دیکھو یہ کیا ماجرا ہے؟

ملازم گیا اور تھوڑی دیر بعد آکر اس نے بتایا کہ کوٹھی کے دائیں اور بائیں دو نئے پڑوسی آکر آباد ہو گئے ہیں۔ دائیں طرف لوہار ہے؛ جب وہ لوہے کو کوٹتا ہے تو ٹن ٹن ٹن کی آواز آتی ہے اور بائیں طرف ایک بڑھئی رہتا ہے وہ لکڑی کاٹتا ہے تو اس کی آری سے کر کر کر کر کی آواز ابھرتی ہے۔

'ہم سے تو یہ آواز نہیں سنی جائے گی، جاؤ لوہار کو بلا لاؤ'۔ زمیندار نے نوکر کو حکم دیا۔نوکر دوڑا دوڑا گیا اور تھوڑی دیر بعد لوٹا تو اس کے ساتھ لوہار بھی تھا۔ زمیندار نے لوہار سے کہا۔ 'تمھارے ہتھوڑے کی اس ٹن ٹن نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے، بند کرواسے'۔

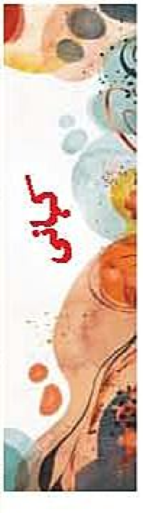

’حضور! میں یہ کام بند کردوں گا تو کماؤں گا کیسے اور کھاؤں گا کیا۔‘ لوہار نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

’مگر اس سے ہمارے آرام میں خلل پڑتا ہے، ہم یہ شور نہیں سن سکتے۔تم ایسا کرو اپنا مکان تبدیل کردو۔‘

’جی حضور، آپ کا حکم سرآنکھوں پر، میں جلد ہی اپنا گھر بدل دوں گا، آپ اطمینان رکھیں۔‘

’اچھا‘ زمیندار نے حیرت سے کہا۔اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ لوہار اس کی بات اتنی جلد مان جائے گا۔اس کی بات سے خوش ہوکر زمیندار نے اس سے کہا: بہت خوب، تم بھلے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ایسا کرو آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔‘

’جی، بہتر جناب!‘ میں رات میں کھانے پر حاضر ہوجاؤں گا۔‘ یہ کہہ کر لوہار چلا گیا۔

اس کے بعد زمیندار نے اپنے ملازم کو حکم دیا کہ وہ بڑھئی کو بلا کر لائے۔ملازم نے حکم کی تعمیل کی اور کچھ دیر بعد بڑھئی کو اپنے ساتھ لےکر زمیندار کے سامنے حاضر ہوگیا۔

زمیندار نے وہی باتیں جو لوہار سے کہی تھیں بڑھئی کے ساتھ بھی دہرائیں اور اسے مکان بدلنے کا حکم دیا۔اسے امید تھی کہ بڑھئی آنا کانی ضرور کرے گا، ہوسکتا ہے وہ ایسا کرنے سے انکار بھی کردے مگر زمیندار کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ بھی لوہار کی طرح فوراً راضی ہوگیا اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد اپنا مکان تبدیل کروے گا۔ زمیندار بڑھئی کے اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اسے بھی رات کے کھانے پر بلالیا۔ان دونوں کے جانے کے بعد اس نے ملازم سے کہا ان دونوں نے میری بات فوراً مان لی۔ایسا لگتا ہے یہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔مکان بدلنا تو بڑا مشکل کام ہے۔اس پر ملازم نے زمیندار سے کہا: جناب! یہ ان کے ذاتی مکانات تھوڑے ہی ہیں۔یہ دونوں کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔کرائے کا مکان چھوڑنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔

اس رات زمیندار کے دونوں پڑوسی اس کی دعوت میں شریک ہوئے اور جاتے ہوئے انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ کل ہی گھر تبدیل کردیں گے۔اتفاق سے اگلے دن زمین دار کو قریب کے ایک شہر جانا پڑا۔زمیندار تین دنوں بعد لوٹ کر آیا تو ملازم نے اسے بتایا کہ ان دونوں نے اپنے مکانات تبدیل کرلیے ہیں، میں نے انھیں سامان لے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔

زمیندار بہت خوش ہوا اور سوچنے لگا کہ چلو جان چھوٹی، اب تو چڑیوں کی چہچہاہٹ کے سوا یہاں کوئی آواز سنائی نہ دے گی۔

اگلے دن زمیندار صبح ناشتے سے فارغ ہوا تو پھر وہی آوازیں سنائی دینے لگی، اسے بہت غصہ آیا۔فوراً ملازم کو بلا کر ڈانٹا’تم تو کہتے تھے وہ لوگ چلے گئے، تم جھوٹے ہو! آوازیں تو برابر اسی طرح آرہی ہیں۔

ملازم گھبرا گیا، پھر وہ لوہار اور بڑھئی کے مکانوں کی طرف دوڑ پڑا۔کچھ دیر بعد وہ واپس آیا اور زمیندار کو اصل بات بتائی:

حضور! میں جھوٹا نہیں ہوں، ان دونوں نے واقعی اپنے مکانات بدل دیے ہیں۔لوہار اپنا مکان چھوڑ کر بڑھئی کے مکان میں چلا گیا ہے اور بڑھئی لوہار کے مکان میں۔

(مرکزی خیال انگریزی سے ماخوذ)

■

Farzana Asad
30, Gulsitan Colony
Near Panday Amrai Lawns
Nagpur- 440013

دس روپے کا سکہ

تاج الدین محمد

نوٹ بندی کے اعلان سے چند دن قبل میں جامعہ کوآپریٹو بینک میں کچھ پیسے نکالنے کی غرض سے حاضر ہوا۔ آج بینک میں عام دنوں کے مقابلے کافی بھیڑ تھی۔ میرا نمبر آتے آتے گھنٹوں لگ گئے۔ چیک جمع کرنے کے بعد ٹوکن لے کر میں پاس میں ہی ایک خالی سیٹ دیکھ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد کیشیئر نے میرے ٹوکن نمبر سے آواز لگائی۔ میں کاؤنٹر پر پہنچا اور اپنے پیسے لے کر مشین سے شمار کرنے کے باوجود اپنی سابقہ عادت کے مطابق پیسے دوبارہ گننے لگا، ممکن ہے کوئی کٹا پھٹا یا نقلی نوٹ برآمد نہ ہو جائے؟

تبھی ایک بوڑھی عورت اپنے دس دس روپے کے جمع کیے ہوئے دس ہزار کے قریب سکے کے ساتھ بینک میں داخل ہوئی اور بھیڑ بھاڑ کو نظرانداز کرتی ہوئی پاس بک آگے کرتے ہی سکّے کی تھیلی کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے اسے جمع کرنے کے لیے کیشیئر سے التجا کرنے لگی۔ لائن میں لگے لوگوں نے بوڑھی اماں کے اچانک آگے آنے پر ان کی عمر کا خیال رکھتے ہوئے کوئی حجت و بحث نہ کیا۔ کیشیئر نے سکہ دیکھتے ہی کہا، اماں یہ بینک میں نہیں جمع ہوں گے اسے کہیں دکان میں پہلے بدلوا لیجیے۔

بوڑھی عورت افسردہ چہرہ لیے ہوئے کہنے لگی، بیٹا سنا ہے یہ سکّے نہیں چل رہے ہیں، سکّے شاید اب بند ہو گئے؟ اسے بدل دے بیٹا، میں نے سال دو سال میں بڑی مشکلوں اور مشقت سے اسے جمع کیا ہے۔ لیکن بینک کا کیشیئر ضعیفہ کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہنے لگا ماتا جی وقت برباد مت کرو اسے کہیں بدلوا لو۔ ہمارے پاس اور بھی کام ہے ہم اسے بینک میں جمع نہیں کر سکتے۔ ان سکوں کو اس وقت کون گنے گا، کون نقلی سکّے علیحدہ کرے گا، کس کے پاس اتنا وقت ہے۔

بوڑھی بی کی آنکھوں میں آنسو صاف جھلک رہے تھے۔ وہ بے بسی و بے چارگی میں کہے جا رہی تھی۔ میں نے اسے دو چار جگہ بدلوانے کی بڑی کوشش کی لیکن سب یہی کہہ رہے ہیں کہ اب یہ سکّے نہیں چلیں گے۔ ہائے میری قسمت! آہ میرے

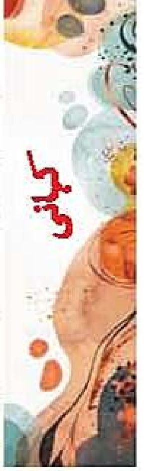

پیسے! میں اب اس کا کیا کروں؟ اس پیسے کا اب کیا ہوگا؟ میں نے کتنی مشکلوں سے اسے جمع کیا تھا اس نے حسرت بھری نگاہ پیسے کے تھیلے پر ڈالی اور اتنا کہتے کہتے وہ نڈھال ہو کر زمین پر بیٹھ گئی۔

میں اپنے پیسے گن چکا تھا۔ کیشیئر کے ساتھ بوڑھی عورت کی کئی بار کی عاجزی وانکساری اور کیشیئر کے منفی جواب نے اس عورت کا دل بیٹھا دیا تھا۔ مایوسی و ناامیدی نے ناتواں جسم کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ اچانک ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کافی پریشان سی ہوگئی اور نڈھال ہو کر فرش پر لیٹ گئی۔

میں نے اپنے راشن والے دکان دار کو فون کیا اور پوچھا کہ کیا دس کا سکّہ اب بازار میں نہیں چل رہا ہے؟ کیا اب یہ سکّے بند ہو گئے ہیں؟ دکان دار صاحب کہنے لگے افواہ پھیلا دی گئی ہے اس لیے کوئی لے رہا ہے تو کوئی نہیں لے رہا ہے۔ اگر آپ کے پاس کچھ سکے پڑے ہوں تو اسے لے آیئے میں اسے لے لوں گا۔ خیال رہے 'دس روپے' سکے کے نیچے دوسری جانب لکھا ہوا ہونا چاہیے۔ کیونکہ بیچ میں لکھا ہوا 'دس روپے' حکومت کی طرف سے جعلی قرار دے دیا گیا ہے۔

بوڑھی اماں کی بے بسی قابل دید تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سکّے اصلی ہوں گے یا نقلی؟ لیکن اس کی پژمردہ اور بجھی ہوئی آنکھیں اور نڈھال طبیعت نے میرے دل کو چند لمحے میں ہی حد درجہ غمگین و اداس کر دیا تھا۔ میں کرسی پر بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔ کسی بھی حالت میں اس کی مدد کرنے کے لیے اپنے دل کو آمادہ کر رہا تھا۔ کسی کی امیدوں کو جگانا اور پھر اسے ناامید کر دینا میرے نزدیک دل آزاری کے زمرے میں آتا تھا۔ اس لیے فیصلہ کرنے میں وقت لگ رہا تھا لیکن آخر کار دل نے مدد کرنے کی طرف رغبت دلا دی اور فیصلہ ضعیفہ کے حق میں کر دیا۔

میں نے بوڑھی اماں سے کہا کہ آپ اپنے تھیلے سے سکے نکالیں میں پہلے اسے دیکھ لیتا ہوں اگر سکے اصلی ہوئے تو مجھے گن کر دے دیجیے گا میں آپ کے سکّے لے لوں گا اور اس کے بدلے آپ کو نوٹ دے دوں گا۔

ضعیفہ کی آنکھوں میں اچانک ایک چمک سی نمودار ہوئی، لیکن چہرے پر دھیرے دھیرے امیدوں کے بیچ ایک تجسس اور ڈر کی کیفیت غالب ہونے لگی۔ لیکن یک لخت ہی ایک بینک کے ملازم کی موجودگی اور میری وضع قطع اور بول چال نے اسے اطمینان مہیا کرا دیا اور وہ تیار ہو گئی۔

اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ اس نے سر کو اوپر اٹھایا اور آنسو پوچھتے ہوئے ہاتھوں کو فرش پر ٹیکتے ہی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک کمزور لاغر اور ضعیف عورت میں اچانک ہی جان آ گئی تھی۔ محنت ومزدوری سے جمع کیا ہوا تھوڑا روپیہ فقیر کو بادشاہ بنا دیتا ہے۔ اندھے کو بینائی عطا کرتا ہے۔ کمزور کو طاقتور اور بیمار کو شفایاب کرتا ہے۔

میں نے انھیں سہارا دے کر ایک ٹیبل پر بٹھایا، تھیلے کے اندر ایک اور چھوٹا سا تھیلا تھا جس کے اندر ایک پلاسٹک کی تھیلی میں سکّے رکھے ہوئے تھے۔ پلاسٹک کی تھیلی کھول کر میں نے ٹیبل پر رکھ دیا۔

درد بھرے لہجے میں میری جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگی، بیٹا جب سکے نہیں چل رہے ہیں تو تم اسے لے کر کیا کرو گے؟ یہ کہتے کہتے آنسو اس کی آنکھوں سے چھلک پڑے۔ میں نے کہا بڑی اماں میں اسے چلا لوں گا۔ سکے بند نہیں ہوئے ہیں یہ چل جائیں گے۔ افواہ پھیلنے سے بازار میں دکان دار اسے لینے سے گریز کر رہے ہیں۔ آپ اپنے تھیلے سے سکے نکالتی جائیں میں پہلے اسے گن لوں گا اور نقلی سکے کو علیحدہ کر دوں گا۔ کہنے لگی بیٹے، کیا سکّے بھی نقلی ہوتے

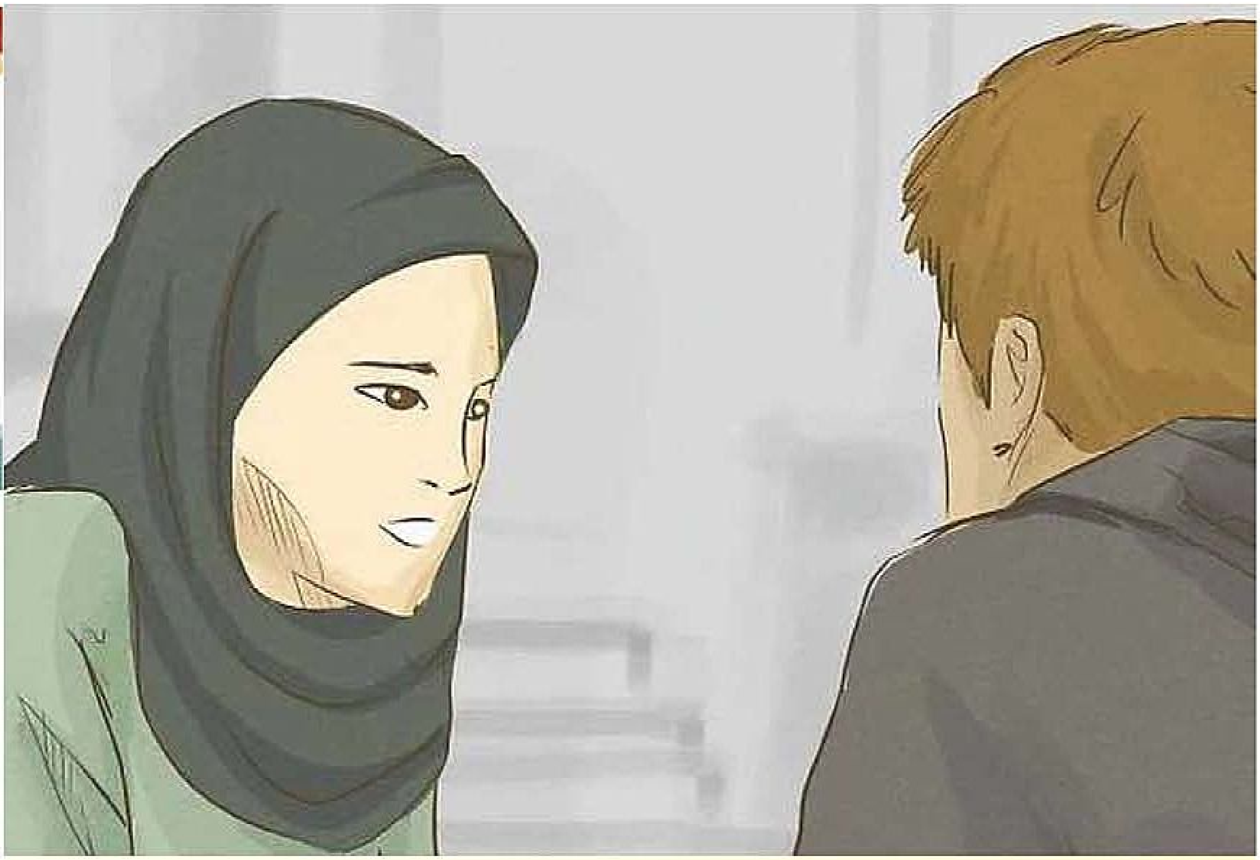

ہیں؟ میں نے کہا ہاں، دس کا نقلی سکہ بازار میں موجود ہے جو دکانوں میں آسانی سے چل جاتا ہے۔ اس نے ہائے کہتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا اور خاموشی سے سکّے نکالتی گئی اور میں چیک کر کے دس دس کی لائن لگاتا چلا گیا۔ چند عدد سکّے ہی نقلی نکلے جسے میں نے لے لیا اور پورے دس ہزار کے سکّے لے کر، بدلے میں اسے نوٹ دے دیا۔ نوٹ دیکھ کر اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا مجھے چند لمحے میں یوں محسوس ہوا جیسے اسے کوئی خزانہ ہاتھ آ گیا ہو۔ بوڑھی اماں خوشی سے روپیہ لے کر دعاؤں سے میرا دامن بھرتے ہوئے نہایت مسرت کے ساتھ بینک سے نکل پڑی۔

میں گھر پہنچ کر اہلیہ کو دس کے اتنے سارے سکّے دیتے ہوئے پوری کہانی سنا ڈالی۔ وہ خوش ہوئیں اور کہنے لگیں کوئی بات نہیں۔ اللہ آپ کو ضرور اس کا اجر دے گا، آپ نے صلہ رحمی کی ہے، نیکی و بھلائی کا اچھا کام کیا ہے۔ فی الوقت کھلے پیسے دکانوں میں دستیاب نہیں ہیں۔ ریزگاری کی پریشانی اکثر ہو جایا کرتی ہے اب کچھ دنوں تک اطمینان رہے گا۔

بینکوں کی آڑی ترچھی لائن لمبی لمبی قطار اور وقت کے بے پناہ نقصان سے بچتے ہوئے اب تک اس ضعیفہ کے سکے سے گھر چل رہا ہے۔ اس افراتفری میں بچے کو دس کا ایک سکہ دینے سے اچھلتے کودتے ہوئے گھر سے جانا اور خوشی خوشی دکان سے کچھ خرید لانا اس ضعیفہ کی یاد دلاتا ہے اور اس یقین کو پختہ کر دیتا ہے کہ یقیناً نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔

■

Tajuddin Mohammad
H.N.- N-69-1, Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025

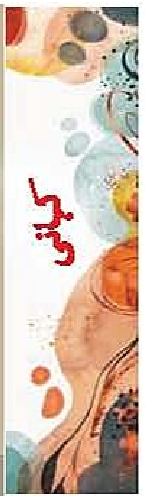

ایک معصوم سوال

ثنا اسد

آٹھویں کلاس کی طالبہ مسلمہ ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھی ہوئی ہوم ورک کر رہی تھی اور اس کے بڑے بھائی فاروق دوسری کرسی پر بیٹھے ہوئے موبائل پر فلم دیکھ رہے تھے۔ فاروق نے اسی سال سیکنڈ ڈویژن سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا تھا۔ وہ شہر کے ایک مشہور پبلک اسکول گرین فیلڈ میں پڑھتا ہے۔ 13 سالہ مسلمہ محلے کے سرکاری سیکنڈری اسکول کی طالبہ ہے اور اس سال اس نے ساتویں کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی اس لیے اسکول کی پرنسپل نے اپنی جانب سے 500 روپے انعام میں دیے تھے۔ جنھیں مسلمہ نے اپنے پاپا کو دے دیا تھا۔ پاپا نے بھی ان روپیوں سے اسے نئی یونیفارم خرید کر لا دی تھی کیونکہ مسلمہ کی پرانی یونیفارم چھوٹی ہو گئی تھی اور ایک جگہ سے اس کی آستین بھی اُدھڑ گئی تھی۔ اسی دوران امی نے فاروق کے سامنے دودھ کا کپ اور دو بھیگے ہوئے بادام رکھے جبکہ مسلمہ کو انھوں نے بریڈ کے دو پیس اور ایک کپ چائے دی۔ چائے پیتے ہوئے مسلمہ کے دماغ میں ایک معصوم سا سوال بار بار کلبلا رہا تھا۔ ''کیا میں امی کی سوتیلی بیٹی ہوں جو میرے ساتھ اتنا بھید بھاؤ کیا جاتا ہے؟ حالانکہ میں پڑھائی میں فاروق بھائی کے مقابلے میں بہت اچھی ہوں۔ مجھے سرکار کی لاڈلی اسکیم کے تحت وظیفہ بھی ملتا ہے لیکن امی بھائی کا زیادہ دھیان رکھتی ہیں، ان کی ہر ضد پوری کرتی ہیں مگر مجھے نظر انداز کرتی ہیں۔ اس سال مئی میں فاروق بھائی کے اسکول کے طلبا وطالبات جب پک نک منانے کے لیے دہلی سے نینی تال گئے تو ہر اسٹوڈنٹ سے پانچ ہزار روپے لیے گئے۔ امی نے خوشی خوشی فاروق بھائی کو پک نک منانے کے لیے پانچ ہزار روپے دے دیے تھے لیکن میرے اسکول کی طالبات جب سورج کنڈ میں پک نک منانے کے لیے جانے لگیں تو میں نے بھی ایک ہزار روپے پک نک پر جانے کے لیے امی سے مانگے تو انھوں نے فوراً بڑھتی مہنگائی اور گھر کے خرچ میں اضافے کا حوالہ دیتے ہوئے مجھے پک نک پر جانے سے روک دیا تھا اور میں تکیہ پر سر رکھ کر خوب روئی تھی کیونکہ میری تمام سہیلیاں پک نک پر جارہی تھیں اور مجھے بھی سورج کنڈ جھیل دیکھنے کی تمنا تھی۔ کیونکہ فاروق بھائی پک نک پر ایک سال پہلے سورج کنڈ

گئے تھے اور انھوں نے جھیل اور اس کی ہریالی وخوبصورتی کی بہت تعریف کی تھی۔ انھوں نے پک نک کے دوران موبائل کے کیمرے سے بنایا گیا سورج کنڈ جھیل کا ویڈیو بھی سب کو دکھایا تھا۔ واقعی یہ پک نک اسپاٹ بہت دلکش ہے۔ اسی لیے تو اکثر اسکولوں کے طلبا وطالبات سورج کنڈ پک نک منانے جاتے ہیں۔ مسلمہ یہ سب سوچ رہی تھی کہ پاپا بھی ڈائننگ ٹیبل کے سامنے پڑی ہوئی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئے اور امی ان کے لیے بھی ناشتہ لے آئیں۔ ناشتہ کرتے ہوئے پاپا محمد عمر نے افسوسناک لہجے میں کہا ''فاروق کے اسکول نے انھیں سائنس دینے سے انکار کر دیا ہے کیونکہ سائنس اور حساب میں اس کے نمبر ہائی اسکول میں اچھے نہیں آئے۔ اس لیے اپنے بیٹے کو انجینئر بنانے کا میرا خواب پورا نہیں ہوگا۔ یہی نہیں پرنسپل نے کامرس سائڈ دینے سے بھی منع کر دیا ہے کیونکہ ہائی اسکول میں صرف 60 فیصد سے زائد نمبر حاصل کرنے والے طلبا وطالبات کو کامرس دینے کا اصول وضع کیا گیا تھا۔ اب فاروق گیارہویں کلاس میں صرف آرٹ سائڈ ہی لے سکتا ہے۔'' پاپا نے اُمید بھری نظروں سے اپنی بیٹی مسلمہ کی طرف دیکھا اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا'' اب میری تمنا مسلمہ بیٹی ہی پوری کرے گی کیونکہ یہ اب تک ہر کلاس میں فرسٹ پوزیشن حاصل کرتی آ رہی ہے اور ان شاء اللہ میری لاڈلی دسویں میں بھی بہت اچھے نمبر حاصل کرے گی اور ڈاکٹر بنے گی۔''

''لیکن پاپا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے آپ اور امی کیوں نظر انداز کرتے ہیں۔ میری ضد کے باوجود مجھے پبلک اسکول میں داخل نہیں کیا گیا۔ کبھی مجھے ایک کپ دودھ اور دو بھیگے ہوئے بادام نہیں دیے گئے۔ حالانکہ فاروق بھائی کو روزانہ یہ سب اچھی غذا دی جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں شاید میں آپ کی سوتیلی بیٹی ہوں۔ یہ کہتے ہوئے مسلمہ کی آواز بھرّا گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔''

''نہیں بیٹی ایسی بات نہیں ہے۔ تم ہماری سگی بیٹی ہو۔''

یہ کہتے ہوئے امی نے مسلمہ کو اپنی بانہوں میں بھر لیا اور بولیں۔'' دراصل بیٹی تمھارے پاپا ایک لالہ جی کے اسٹور میں کلرک ہیں۔ انھیں صرف 40 ہزار روپے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ فاروق کو پبلک اسکول میں پہلے ہی داخلہ دلا دیا تھا لیکن اس کی پڑھائی پر ہر ماہ 10 ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں۔ بقیہ 30 ہزار میں گھر کا خرچ مشکل سے ہی چلتا ہے۔ اس لیے تمھیں پبلک اسکول میں نہیں بلکہ سرکاری اسکول میں داخل کرایا گیا۔ لیکن مجھے اور تمھارے پاپا کو تم سے اتنی ہی محبت ہے جتنی فاروق سے۔''

''ہاں مسلمہ، تم پہ اسی لیے کم توجہ دی گئی کہ تم چھوٹی ہو۔ لیکن تمہارا معصوم سوال بالکل جائز ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے سماج میں بیٹے کو بیٹی کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ لیکن اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس مرتبہ میں فاروق کو گیارہویں کلاس میں سرکاری اسکول میں ہی داخلہ دلاؤں گا۔ وہاں اسے کامرس سائڈ مل جائے گی۔ اس طرح بڑے ہو کر وہ میری طرح کسی پرائیویٹ اسٹور میں کلرک تو بن جائے گا۔ لیکن آئندہ سال تمھارا داخلہ نویں کلاس میں پبلک اسکول میں کراؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم ڈاکٹر بن کر اپنے خاندان کا نام روشن کرو گی۔'' یہ کہہ کر پاپا نے مسلمہ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

اس طرح مسلمہ کو اپنے معصوم سوال کا جواب مل گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پھیل گئی تھی۔

■

Sana Asad
97-F Sector-7 Jasola Vihar
New Delhi i-110025

آفتاب حسنین

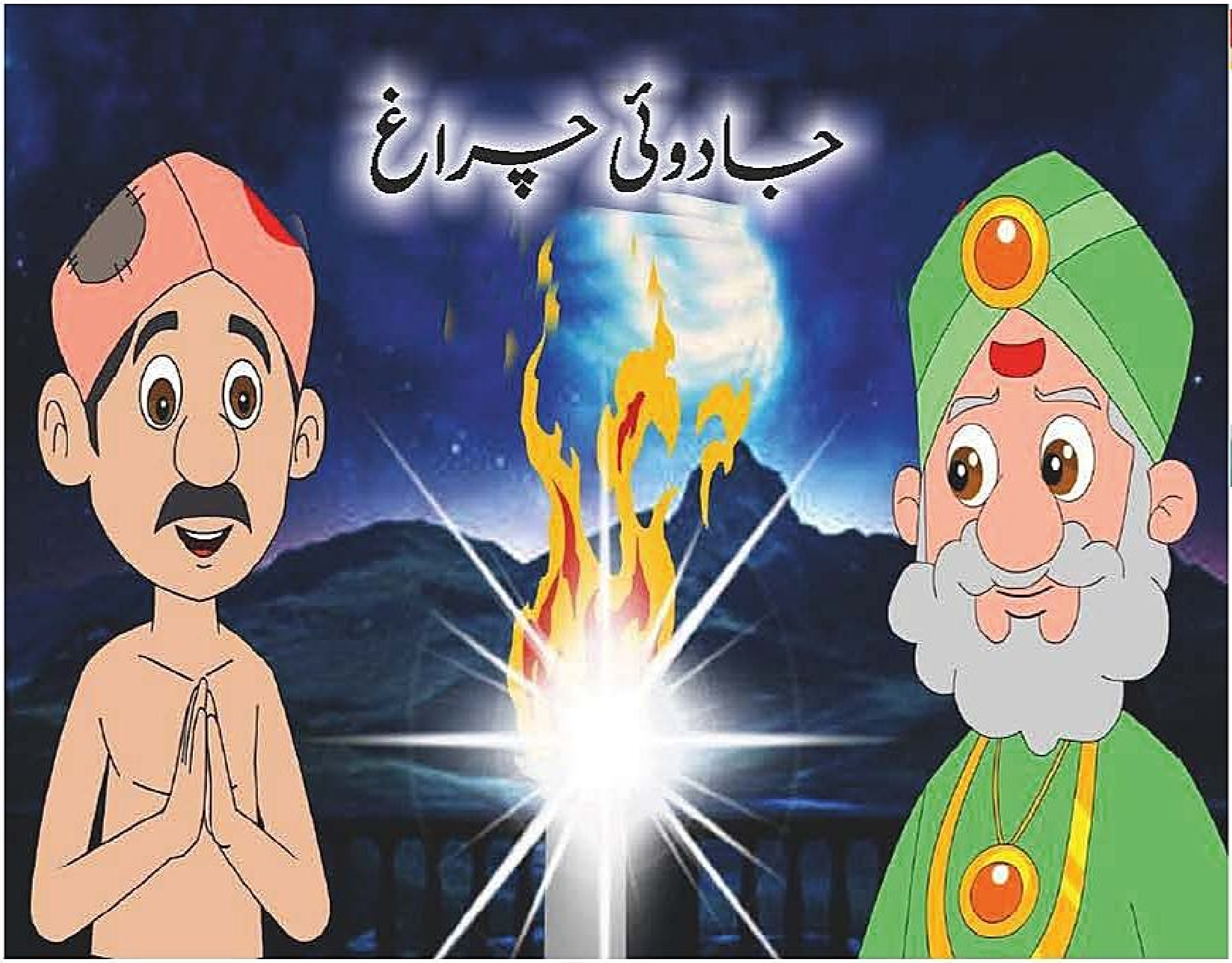

مزدور کو اگر مزدوری اچھی اور وقت پر ملے تو وہ محنت کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ عبداللہ سیٹھ کو اس بات کا خاص خیال رہتا تھا۔ وہ اپنی نگرانی میں پہاڑ تڑوا رہے تھے۔ وہ تپتی دھوپ اور ٹھٹھرتی سردی میں مزدوروں کے ساتھ رہ کر ان سے زیادہ سے زیادہ محنت کرا رہے تھے اور اس محنت کا انھیں زیادہ سے زیادہ معاوضہ بھی دے رہے تھے۔ لگ بھگ ڈھائی سال کی محنت کے بعد ان لوگوں نے آدھا پہاڑ توڑ ڈالا تھا۔

عبداللہ سیٹھ کا شمار ملک کے گنے چنے بڑے زمین داروں میں ہوتا تھا۔ لاکھوں کی جائیداد تھی، محل کی طرح عالی شان کوٹھی بادشاہوں کی طرح رہن سہن، لیکن ادھر ڈھائی سال سے عبداللہ سیٹھ نے اپنا دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ انھوں نے اپنی ساری دولت پہاڑ تڑوانے میں ختم کر دی تھی اور اب تھوڑی تھوڑی جائیداد بیچ کر مزدوروں کو ان کی اجرت ادا کر رہے تھے۔ لوگ حیران تھے کہ آخر عبداللہ سیٹھ اپنی زمین جائیداد بیچ کر پہاڑ کیوں تڑوا رہے ہیں؟ لیکن عقل مند سمجھ گئے کہ اس پہار کو تڑوانے میں ضرور ان کو زمین جائیداد سے زیادہ فائدہ ہوگا۔

بات کچھ ایسی ہی تھی۔ ایک رات عبداللہ سیٹھ نے خواب میں ایک فرشتہ نما آدمی کو دیکھا، جس نے ان سے کہا کہ پچھّم کی طرف جو پہاڑ ہے، اس میں ایک جادوئی چراغ دفن ہے۔ پہلے دن تو عبداللہ سیٹھ نے اس خواب پر کوئی توجہ نہیں دی، لیکن جب لگاتار پانچ چھ راتوں تک انھوں نے یہی خواب دیکھا تو

ان کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس پہاڑ کو تڑوا کر جادوئی چراغ حاصل کیا جائے۔ پہاڑ تڑوانے میں لاکھوں روپے کا خرچہ تھا، لیکن انھوں نے سوچا کہ اگر وہ اپنی ساری جائیداد لٹا کر بھی جادوئی چراغ حاصل کرلیں تو بھی وہ فائدہ میں رہیں گے، کیونکہ جادوئی چراغ سے تو وہ ساری دنیا پر قبضہ جما سکتے ہیں۔ بس یہ خیال آتے ہی انھوں نے مزدوروں کو اکٹھا کیا اور پہاڑ تڑوانے لگے۔

ڈھائی سال بعد تقریباً آدھا پہاڑ ٹوٹنے کے بعد بھی عبداللہ سیٹھ کو جادوئی چراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس کام میں ان کی لگ بھگ آدھی جائیداد ختم ہو چکی تھی، لیکن ابھی انھیں اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ اپنی باقی جائیداد کو بیچ بیچ کر اس کام کو آگے بڑھا رہے تھے، کیونکہ ان کو جادوئی چراغ کے مل جانے کی پوری امید تھی اور اسی امید پر وہ وقت بے وقت چٹانوں اور پتھروں میں جادوئی چراغ تلاش کرتے رہتے تھے۔

مزدور اپنی مزدوری لیتے اور محنت کرتے جا رہے تھے اور عبداللہ سیٹھ زیادہ پانے کے لالچ میں کم سے بھی ہاتھ دھوتے جا رہے تھے۔ چار سال بیت گئے۔ تقریباً پورا پہاڑ ٹوٹ کر ختم ہو گیا، صرف اس کا ایک چھوٹا سا حصہ باقی رہ گیا تھا۔ پہاڑ کی طرح عبداللہ سیٹھ کی جائیداد بھی ختم ہو گئی۔ کوٹھی تک بک گئی تھی۔ صرف اتنی زمین رہ گئی تھی جتنی ایک عام محنت کش کو زندگی گزارنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔ اب عبداللہ سیٹھ کی ہمت پست ہو گئی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اس زمین سے پہاڑ کا باقی حصہ ٹوٹنے پر بھی اگر جادوئی چراغ نہ ملا تو کیا ہوگا؟

فوراً ہی ان کے دل کے کسی گوشے سے نیکی کی آواز آئی۔ ”عبداللہ، لالچ نے تیرا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ بس اب یہ لالچ چھوڑ دے اور جو کچھ بچا ہے اس کے لیے خدا کا شکر ادا کر کے اپنی زندگی کے باقی دن گزار دے۔“ عبداللہ گہری سوچ میں پڑ گئے۔ اچانک دل کے دوسرے گوشے سے بدی کی آواز آئی ”عبداللہ بے وقوف نہ بن۔ وہ خواب بالکل سچا ہے اور تو نے بھی بہت ہی محنت کی ہے۔ تجھے اس کا پھل ملنا ہی چاہیے اور وہ پھل یہ ہے کہ جادوئی چراغ پہاڑ کے اسی حصے سے تجھے ملے گا“ آخر بدی کی جیت ہوئی۔ عبداللہ سیٹھ نے بچی ہوئی زمین بھی داؤ پر لگا دی اور پورا پہاڑ توڑ ڈالا لیکن جادوئی چراغ نہ ملنا تھا، نہ ملا۔ پورا پہاڑ ٹوٹ جانے کے بعد عبداللہ سیٹھ دیر تک پتھروں اور مٹی کے ڈھیر کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے، پھر انھوں نے پاگلوں کی طرح ایک زوردار قہقہہ لگایا اور چیخ چیخ کر کہنے لگے ”جادوئی چراغ! میرا جادوئی چراغ!“

پہاڑ توڑنے والے تمام مزدوروں نے پہاڑ توڑ توڑ کر عبداللہ سیٹھ سے اتنی دولت جمع کر لی تھی کہ وہ چھوٹے موٹے زمین دار بن گئے اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

ایک بزرگ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے اس پر بہت افسوس ظاہر کیا اور فرمایا ”بے وقوف تھا وہ زمین دار جو اتنا دولت مند ہوتے ہوئے بھی جادوئی چراغ کے لالچ میں آ کر خود کو بھکاری بنا بیٹھا اور خوش نصیب اور قابلِ تعریف ہیں وہ مزدور، جو اپنے آپ میں چھپے ہوئے محنت کے پھل کو پہچان کر اپنی محنت سے زمیندار بن گئے۔ صحیح معنوں میں محنت ہی جادوئی چراغ ہے۔“

■

ماخذ: ماہنامہ 'کھلونا'، نگراں: یونس دہلوی
مدیر: الیاس دہلوی، سنہ اشاعت: فروری 1981

محمد اکرام

سوڈان کی مزے دار کہانیاں

موجودہ عہد کے بچوں کو اسکول میں ٹیچر کے ذریعے دیے گئے ہوم ورک اور بھاری بستوں نے کافی مصروف کر دیا ہے۔ مزید یہ کہ بچے اپنے والدین کے کچھ جائز تو کچھ ناجائز امیدوں اور خواہشات کو پورا کرنے کے چکر میں ڈپریشن کے شکار بھی ہوتے جا رہے ہیں۔ ان ذہنی اذیتوں اور تناؤ بھرے ماحول سے بچوں کو نکالنے کے لیے ماہرین نے مختلف راستے بھی اختیار کیے ہیں، جنھیں بچے اپنے اپنے ذوق کے حساب سے انتخاب کرتے ہیں۔ کچھ کو سیر وتفریح کا شوق ہوتا ہے تو کچھ کو مطالعے کا۔ محمد امین صاحب کی کتاب 'سوڈان کی مزے دار کہانیاں' مطالعے سے دلچسپی رکھنے والے بچوں کے لیے اہمیت کی حامل ہے، اسے پڑھتے وقت آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ آپ کسی حسین وجمیل مقام کا دیدار کر رہے ہیں۔ دراصل محمد امین صاحب کی اس کتاب میں چھ کہانیاں شامل ہیں۔ یہ کہانیاں ان لوک کہانیوں کی بدولت تیار کی گئی ہیں جو انھوں نے سوڈان کی راجدھانی خرطوم میں قیام کے دوران وہاں کے کچھ احباب کی زبانی سنی تھیں۔

پیارے بچو! کہانیوں کے ذکر سے پہلے سوڈان اور دریائے نیل کے بارے میں جانکاری ضروری ہے کیونکہ اس ملک کی تہذیب وثقافت کا ان کہانیوں میں بھرپور ذکر ملے گا۔ تو آیئے آپ کو دریائے نیل اور سوڈان کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں۔ دریائے نیل دنیا کے چند بڑے دریاؤں میں سے ایک ہے۔ اسی دریائے نیل کی وادی میں سوڈان واقع ہے۔ یہ ملک رقبے کے لحاظ سے افریقہ کا سب سے بڑا ملک ہے۔ افریقہ کے کل رقبے کے 8 اور دنیا کے کل رقبے کے 2 فیصد علاقے کو محیط ہے۔ خرطوم سوڈان کا دارالسلطنت (Capital) ہے۔ یہ شہر کتب خانوں اور میوزیم کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ سیاحتی مرکز بھی ہے۔ سوڈان اپنی نوعیت کا ایک خاص ملک ہے، یہاں کی کہانیوں کا انداز بھی منفرد ہے۔ ان کے عنوان سے ان کے انوکھے پن کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ چند مخصوص قسم کی کہانیاں جو اس کتاب میں شامل ہیں وہ یہ ہیں: (1) بندروں کی ٹولی اور چھوٹی چھوٹی لال ٹوپیاں (2) پرندوں اور جانوروں کی جنگ (3) دو مکار (4) چھ گھوڑ سوار (5) کچھوا اور جادو کی ڈھولک (6) دس تک گنتی دو طرح سے گنی جا سکتی ہے۔

پہلی کہانی 'بندروں کی ٹولی اور چھوٹی چھوٹی لال ٹوپیاں' ہے۔ یہ ترکی ٹوپی کی تجارت کرنے والے ایک سوداگر علی عمر کی کہانی ہے۔ یہ ٹوپی وہاں کے قصبات میں بہت مشہور ہے۔ ایک تاجر ٹوکری بھر ٹوپیاں لے کر بیچنے کے لیے اپنے خچر پر سوار ہو کر نکلتا ہے۔ کچھ مسافت طے کرنے کے بعد تاجر پر تھکن اور نیند کا غلبہ طاری ہونے لگا۔ چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ کچھ دیر آرام کر لیا جائے اور ایک سایہ دار درخت کے پاس خچر کو باندھ کر سو گیا۔ کچھ دیر بعد بندروں کی ایک فوج وہاں آن پہنچی۔ انھوں نے اپنی انگلیوں سے دونوں ٹوکریاں کھول دیں۔ کچھ بندروں نے ٹوپیاں اپنے سر پر لگا لیں پھر سبھی بندروں نے مل کر خوب واویلا کیا۔ اسی دوران تاجر علی عمر کی آنکھ کھل گئی۔ یہ منظر دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا۔ اسی دوران وہاں سے ایک دوسرے مسافر کا گزر ہوتا ہے، وہ اپنی دانشمندی سے علی عمر کو نجات دلاتا ہے۔ اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ کوئی بھی کام کیجیے تو ذمے داری اور عقلمندی و ہوشیاری ضروری ہے، تھوڑی سی غفلت آپ کا بگاڑ سکتی ہے۔

دوسری کہانی 'پرندوں اور جانوروں کی جنگ' ہے۔ اس کہانی میں پرندوں اور جانوروں کی لڑائی کا ذکر ہے۔ وہ لڑائی

سوڈان کی مزے دار کہانیاں، مصنف: محمد امین، صفحات: 61،
قیمت: 20 روپے، چوتھی اشاعت: 2016،
رابطہ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ایک شترمرغ اور ایک ہاتھی سے شروع ہوتی ہے۔ دراصل ہاتھی شترمرغ کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اسی لیے شترمرغ نے اپنے قبیلے کے بقیہ پرندوں سے مدد کی فریاد لگائی، آخر سبھوں نے مل کر شترمرغ کی مدد کی۔ اسی طرح ہاتھی نے بھی اپنی فوج بنائی اور دونوں کے درمیان جنگ شروع ہوگئی۔ آخر اس جنگ میں پرندوں کی جیت ہوگئی۔ لیکن جانوروں میں ایک لکڑبگھا بھی تھا جو بہت شاطر تھا، اس نے پرندوں کو ہرانے کے سارے حربے استعمال کیے بالآخر وہ ناکام رہا اور پھر مصیبت پڑنے پر شترمرغ ہی اس کے کام آیا۔ اس کہانی سے بچو یہ سبق ملتا ہے کہ یہ اس زمین پر اللہ کی جتنی مخلوقات ہیں ان سب کو جینے کا حق ہے، کسی کو کسی پر زیادتی اور ظلم نہیں کرنا چاہیے۔

تیسری کہانی 'دو مکار' ہے۔ دو مکار کوتو اور ماہا دونوں کا کام تھا دوسروں کو بے وقوف بنانا اور عیاری و مکاری سے سامنے والے کے مال کو ہڑپ کر جانا۔ پہلے تو ان دونوں مکاروں میں خوب لڑائی ہوتی تھی، جب یہ دونوں ایک دوسرے کو مات نہ دے سکے تو انھوں نے آپس میں مل کر کام کرنے کی ترکیب نکالی اور دونوں اچھے دوست بن گئے۔ ایک دن ایک امیر آدمی کو ٹھگنے کے لیے یہ دونوں گئے، مگر اس کی ہوشیاری سے الٹے یہ دونوں مکار اپنے جال میں پھنس گئے، کافی منت و سماجت کے بعد انھیں رہائی ملی۔ کہانی کے آخر میں دونوں مکار ایک دوسرے کو ہی ختم کرنے کی ٹھان لیتے ہیں نتیجتاً ایک کا قتل ہوتا ہے اور دوسرا مقتول کے ذریعے پروسے گئے زہریلے کھانے سے مرجاتا ہے۔ اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ ایمانداری ہی اصل دولت ہے۔ دھوکہ اور فریب سے بچنا ہر حال میں ضروری ہے۔

چوتھی کہانی 'چھ گھوڑ سوار' ہے۔ یہ کہانی ہوسا قبیلے اور بالو سردار کی ہے۔ ایک اور سردار کی بیٹا ناسا ہے جس کے حسن پر فریفتہ ہوکر بالو اس کا اغوا کر لیتا ہے۔ جب سردار کو اپنی بیٹی کے اغوا کی خبر ملتی ہے تو وہ پریشان ہوجاتا ہے اور وہ اعلان کرتا ہے کہ ہے کوئی نوجوان جو ناسا کو بالو سے آزاد کرادے۔ اگر کوئی ایسا کر سکتا ہے تو اس سے میں اپنی بیٹی کی شادی کردوں گا۔ ایک نوجوان فِدے بی اس کے لیے تیار ہوجاتا ہے اور راستے میں اسے پانچ اور ساتھی ملتے ہیں جو اپنے اپنے ہنر میں بہت مشہور ہیں۔ بالآخر اپنی حکمت عملی سے فدے بی ناسا کو بالو سے آزاد کرالیتا ہے اور بالو اپنے برے کاموں کی وجہ سے گھڑیال کا شکار ہوجاتا ہے۔ آخر میں سردار وعدے کے مطابق ناسا کی شادی فدے بی سے کردیتا ہے۔ اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اچھے کا انجام اچھا اور برے کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔

پانچویں کہانی 'کچھوا اور جادو کی ڈھولک' ہے۔ یہ کہانی سوڈان کے اکوے ٹوریا (استوائی) صوبے کے ایک گاؤں کی ہے جہاں کے لوگ ان پڑھ تھے، جادو اور ٹونے ٹوٹکے پر یقین رکھتے تھے۔ اس گاؤں میں انسان اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ انسان جانوروں کو اپنا بھائی سمجھتے تھے۔ اسی گاؤں میں عدو نام کا ایک سردار تھا جس کے پاس کئی طرح کی ڈھولک تھی۔ ڈھولک کی تیز آواز کو گاؤں والے خوش خبری کی علامت سمجھتے تھے۔ بادشاہ عدو کے زمانے میں ایک

ڈھولک ایسی تھی جس کا نام ڈوڈو تھا، اس کے پاس جادوئی آواز تھی جس کا مالک خود بادشاہ تھا۔ ایک بار بادشاہ اپنی ڈھولک پر نئی کھال منڈھ رہا تھا۔ جب اس کی نسیں کس گئیں تو سردار نے اس ڈھولک کو بجا کر جو پہلا گیت گایا وہ جوجو کی تعریف میں تھا۔ جوجو اس سے بہت خوش ہو گیا، پھر درخت کے حوالے سے جوجو کی آواز آئی "عدو واقعی تم بہت اچھے ہو، اس کے ذریعے ہم تمھیں ایک نیا تحفہ پیش کرتے ہیں۔ جب بھی تم اسے بجاؤ گے کھانے کے لیے جو چیز بھی تمھیں چاہیے وہ حاضر ہو جائے گی۔" بادشاہ ڈوڈو کے ذریعے بڑے سے بڑے معرکے بھی سر کر لیتا... اس کہانی میں کچھوے کا بھی ایک کردار ہے جو فریب اور مکاری سے وہ جادوئی ڈھولک حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اتفاق سے ایک دن وہ ڈھولک اسے حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر اسے استعمال کا طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نتیجہ الٹا ثابت ہوتا ہے اور اسے اپنے قبیلے کے لوگوں کا غصہ جھیلنا پڑتا ہے اور کچھوا جو ڈھولک کو معافی تلافی کر کے عدو سردار کے حوالے کر دیتا ہے۔ پیارے بچو! آپ کے اندر جتنی طاقت اور قوت ہے، خواہشات انھی کے مطابق رکھنی چاہئیں، بے جا خواہشات ذلت و رسوائی کا سبب بن جاتی ہیں۔

کتاب کی آخری کہانی 'دس تک گنتی دو طرح سے گنی جا سکتی ہے' ہے۔ یہ دراصل جانوروں کی کہانی ہے۔ اس کہانی میں ایک کردار چیتا ہے جو جنگل کا راجہ ہے۔ اس کی ایک خوبصورت اور لاڈلی بیٹی تھی جسے وہ بہت عزیز رکھتا تھا۔ اس کے پاس کوئی وارث نہیں تھا۔ ایک دن اس کے دل میں یہ تدبیر آئی کہ کیوں نہ جنگل کے سارے جانوروں کی دعوت کی جائے۔ اس کے ذریعے سب سے زیادہ ذہین اور عقل مند جانور سے اپنی بیٹی کی شادی کر کے اسے اپنا جانشین بنا لیں گے۔ حسب پروگرام جب سب اکٹھا ہو گئے تو بادشاہ نے اعلان کیا کہ جس کو شہزادہ یا پرنس بننا ہے اسے میرے جادوئی بلم کو آسمان کی طرف پھینکنا ہوگا۔ بلم پھینکنے کے بعد وہ دس تک گنتی گنے گا، قبل اس کے کہ بلم زمین پر واپس آ جائے، سارے جانوروں کی باری آئی، سب لوگ ناکام ہو گئے۔ آخر میں ہرن کی باری آئی اور اسے ہی اس امتحان میں کامیابی نصیب ہوئی۔ اس نے بقیہ جانوروں کی طرح ایک سے لے کر دس تک کی ترتیب سے گننے کے بجائے صرف پانچ اور دس ہی کی گنتی گنی۔ کیونکہ امتحان سے پہلے گنتی گننے کا طریقہ بتایا نہیں گیا تھا۔ اپنی چالاکی اور ہوشیاری کی وجہ سے ہرن کو اس امتحان میں کامیابی نصیب ہوئی، وعدے کے مطابق راجہ نے اپنی بیٹی کی شادی ہرن سے کر کے اسے اپنا جانشین بنا لیا۔

پیارے بچو! بعض دفعہ امتحان کی کاپیوں میں زیادہ لکھنے سے کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ ممتحن کو سوالات کے مناسب اور بہتر جواب مطلوب ہوتے ہیں۔ ایسے میں دماغ اور عقل کا استعمال ضروری ہے۔

اس کتاب میں شامل کہانیوں میں محمد امین صاحب کے کہانی کا بیانیہ بہت دلکش ہے۔ انھوں نے واعظانہ اور بے جا ناصحانہ انداز سے حتی الامکان گریز کیا ہے۔ کہانیوں میں آسان الفاظ اور عمدہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ کہانی کے حساب سے کرداروں کا انتخاب بھی بہت عمدہ ہے۔ پلاٹ بھی بہت گٹھا ہوا ہے، عموماً پلاٹ ہی کسی کہانی کی کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔ چونکہ مرکزی خیال بہت عمدہ ہے اس لیے کہانیوں کا کینوس کافی وسیع ہے۔ امین صاحب چاہتے تو اسے اور بھی بڑھا سکتے تھے، مگر بچوں کی ذہنی ساخت کا خیال ضروری تھا۔

'سوڈان کی مزے دار کہانیاں' کی اشاعت کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور اس کے ذمے داران کی ستائش بھی ضروری ہے کہ انھوں نے بچوں کے ذوق کا خیال رکھتے ہوئے اس عمدہ کتاب کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔ اس کتاب کی یہ چوتھی طباعت ہے، جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کور بہت ہی خوبصورت ہے، مجھے امید ہے کہ بچے اس کتاب کا ذوق و شوق سے مطالعہ کریں گے۔

■

Mohd Ikram
89/6-A, Street No. 1, Ghaffar Manzil
Jamia Nagar,Okhla
New Delhi- 110025
Mob.: 9654882771

احرار حسین

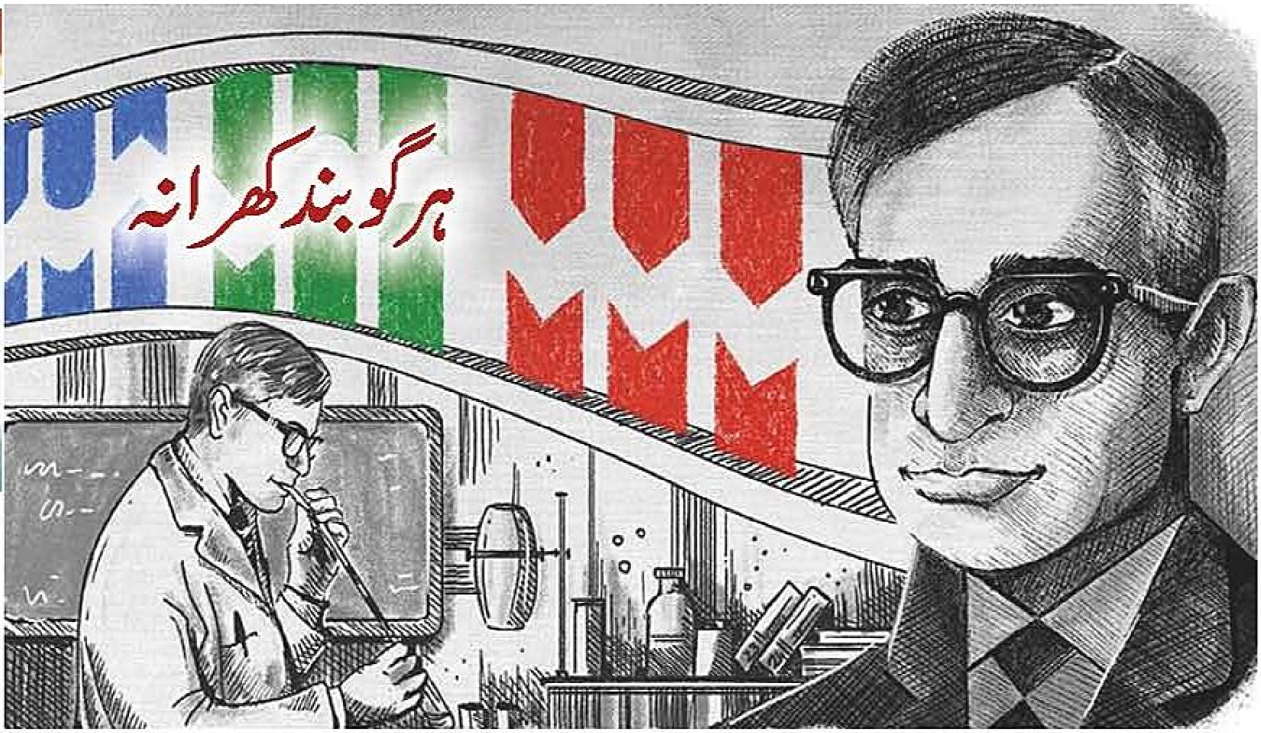

ہرگوبند سنگھ پنجاب کے رائے پور گاؤں میں سنہ 1922 میں پیدا ہوئے۔ گاؤں کافی پچھڑا ہوا تھا۔ گھر کے حالات بھی بہت اچھے نہ تھے۔ آپ کے والد گاؤں میں ٹیکس وصول کرنے پر متعین تھے۔ والد صاحب تعلیم کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ گھر کی تعلیم سے فراغت کے بعد ابتدائی تعلیم کے لیے اسکول میں داخلہ دلایا گیا۔ گاؤں کی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو لاہور بغرضِ تعلیم بھیجا گیا اور اس طرح ڈی اے وی کے تعلیمی مراکز میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ اول درجے میں کامیاب ہوتے رہے۔ کھرانہ کو سائنس میں دلچسپی تھی۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور سنہ 1945 میں ایم ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ ملک کا بٹوارہ ہوا اور ہرگوبند کھرانہ کا پورا خاندان لاہور سے دہلی منتقل ہوگیا۔ ہندوستان کی سرکار اس وقت ذہین بچوں کی تعلیم کے فروغ کے لیے مالی امداد دے رہی تھی۔ اسی سال کھرانہ کو سرکار سے بیرونِ ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے وظیفہ منظور کیا گیا اور کھرانہ لندن تشریف لے گئے۔ لندن میں آپ نے کیمبرج یونیورسٹی میں تحقیقی مطالعہ کیا۔ کھرانہ سائنس کے شعبہ کیمیا و حیاتیات میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی تحقیق نیوکلیر رائڈس میں نوبیل انعام یافتہ سائنسداں پروفیسر ٹاڈ کے زیرِ نگرانی کی۔ آپ نے اس موضوع پر معیاری تحقیق کی۔ اور بہت سے سائنسی مقالے شائع کیے۔ کیمبرج یونیورسٹی نے کھرانہ کو سنہ 1949 میں پی ایچ ڈی سے نوازا۔ قابل استاد کے قابل شاگرد ڈاکٹر کھرانہ نے تحقیق جاری رکھی اور سائنس میں دنیا والوں کو بہت اہم سائنسی مواد فراہم کیا۔ وطن سے محبت اور خدمت کی غرض سے ڈاکٹر کھرانہ ہندوستان واپس تشریف لے آئے لیکن کوششوں کے باوجود کچھ مناسب ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے پھر انگلینڈ واپس چلے گئے اور لیور پول یونیورسٹی میں تحقیقی کاموں کو فروغ دیا اور اس کے بعد کبھی ڈاکٹر کھرانہ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ کامیابی کی منزلوں کو چھوتے چلے گئے اور اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کیا۔ ڈاکٹر

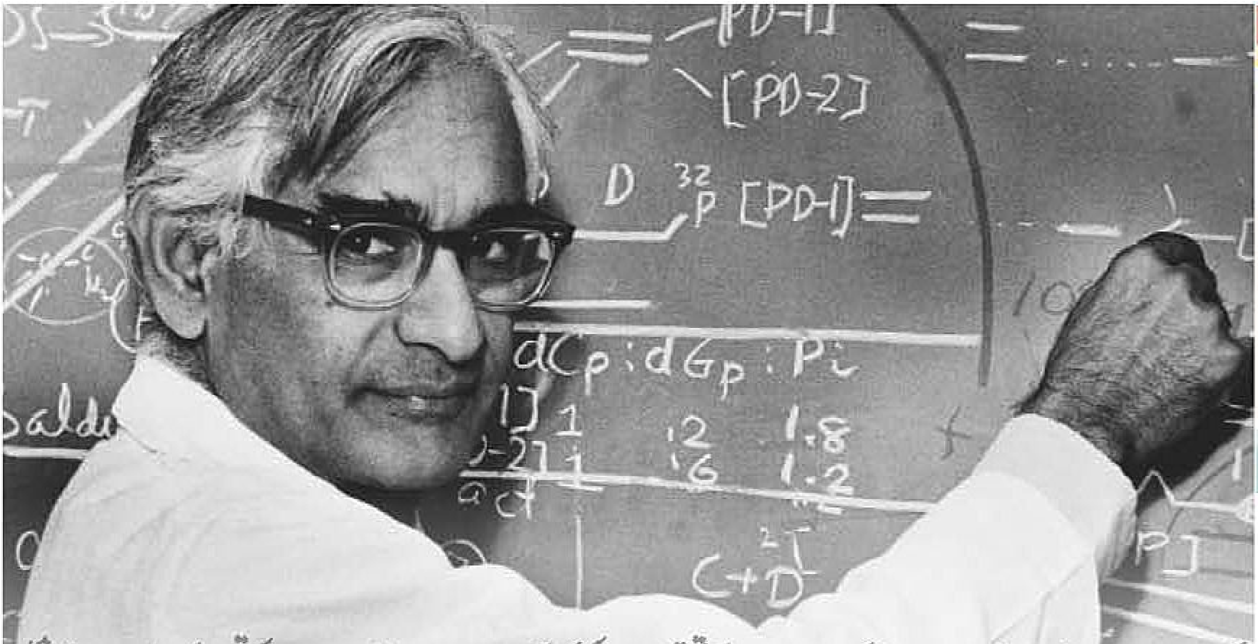

کھرانہ اسی دوران کناڈا تشریف لے گئے اور وہاں رہ کر تحقیق کو اور آگے بڑھایا۔ سائنسی تحقیق اور اس کے فروغ کے لیے ڈاکٹر کھرانہ کو عالمی شہرت ملی اور دوسرے ممالک بھی ان کو اپنے یہاں تحقیقی کاموں کو فروغ کے لیے دعوت دیتے رہے۔ سنہ 1960 میں وسکونسن یونیورسٹی کے (Institute of Enzyme Chemistry) سے تعلق قائم کیا اور وہاں پر جینیٹک کوڈ پر تحقیقی کام کرنا شروع کیا۔ آپ نے اس تجربہ گاہ میں ایسٹ سیل کے جین کو الگ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔ یہ ایک انوکھا اور معیاری کام تھا۔ اس تحقیق سے کھرانہ کی قابلیت کو دنیا والوں نے تسلیم کرلیا۔

ڈاکٹر کھرانہ کی اس تحقیق کے بعد جینیٹک کوڈ پر تحقیقی کام شروع ہوئے۔ ڈاکٹر کھرانہ کی اس تحقیق کو نوبیل کمیٹی نے بھی سراہا اور سنہ 1968 میں آپ کو مشترکہ نوبیل انعام سے نوازا۔ ڈاکٹر کھرانہ کے مطابق جینیٹک کوڈ فیوچر جنریشن کے معیار کا ذمے دار ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جین امینو ایسڈس اور پروٹینس کا بنا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کھرانہ اور ان کے ساتھی سائنس داں ڈاکٹر ہولے اور ڈاکٹر نرین برگ نے یہ قیاس آرائی بھی کی کہ آر این اے اور ڈی این اے کو تجربہ گاہ میں مصنوعی شکل میں اپنی مرضی کے مطابق تیار کیا جاسکتا ہے۔ اس تحقیق سے ساری سائنسی برادری میں تہلکہ مچ گیا۔ اگر سائنس داں ایسا کرسکے تو دنیا کا رخ بدل سکتا ہے۔ آپ کا کہنا تھا کہ اگر ہم جین کو قابو میں کرلیں تو ورثے میں ملنے والی بیماریوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے اور بہت قابل انسان بنائے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر ہرگوبند کھرانہ نے سائنسی تحقیق کا معیار قائم کیا اور دنیا والوں کو بہت اعلیٰ پیمانے کا ادب فراہم کیا۔ دنیا بھر کے سائنس داں اس شعبے میں تحقیق کر رہے ہیں اور مستقبل قریب میں نئی نئی ایجادات کرسکیں گے۔ آپ کے تحقیقی کاموں سے سائنس میں کچھ اور نئے آفاق روشن ہوئے ہیں۔ تحقیق جاری ہے اور مستقبل قریب میں اس کے نتائج کی امید کی جاسکتی ہے۔

■

ماخذ: عظیم سائنس داں، مصنف: ڈاکٹر احرار حسین، سنہ اشاعت: 1998، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔

1. پہلا بین الاقوامی یوگا ڈے کب منایا گیا۔
2. ریزرو بینک آف انڈیا کہاں واقع ہے
3. اکنامکس کا فادر کسے کہا جاتا ہے
4. بجلی کے بلب میں کون سی گیس بھری جاتی ہے
5. مڈ ڈے میل اسکیم کب شروع ہوئی
6. بھگت سنگھ کو پھانسی کب دی گئی
7. منہ کے اندرونی پرت بنانے والے ٹشو کا نام بتائیں
8. خواتین کا عالمی دن کب منایا جاتا ہے
9. ہندوستان کی سب سے بڑی ندی کون سی ہے
10. کون سا پھول اپنی غذا مٹی کے بجائے ہوا سے لیتا ہے
11. اردو زبان کی پہلی کتاب کے مصنف کا کیا نام ہے
12. صحت کا عالمی دن کب منایا جاتا ہے
13. پہلی جنگ عظیم کب ہوئی
14. کس بینک کو بینکرز بینک آف انڈیا کہا جاتا ہے
15. واٹس ایپ کس نے ایجاد کیا
16. 4G کا کیا مطلب ہے
17. لال قلعہ کس سن میں تعمیر ہوا
18. ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کہاں واقع ہے
19. مولانا ابوالکلام آزاد کب پیدا ہوئے
20. غبار خاطر کس کی تصنیف ہے

(جواب صفحہ نمبر 42 پر ملاحظہ فرمائیں)

ننھے فنکار

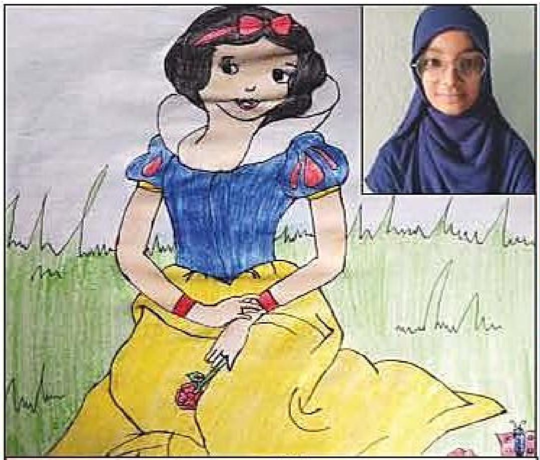

عائشہ صدیقہ عقیل بیگ، درجہ ہشتم
الفاطمہ اردو ہائی اسکول، دھولہ، مہاراشٹر

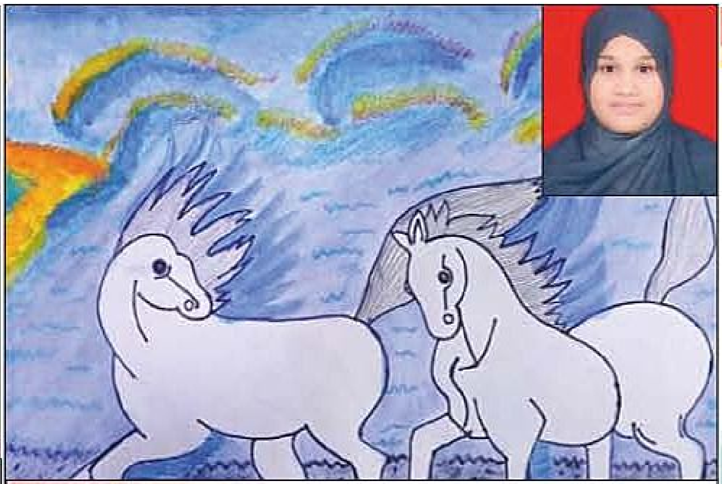

ندا شیخ حسن الدین، درجہ نہم، فخر الدین علی احمد اردو ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج درگاؤں، مہاراشٹر

مژدہ خان، درجہ پریپ بی، دہلی پبلک اسکول، ایسٹ آف کیلاش، نئی دہلی

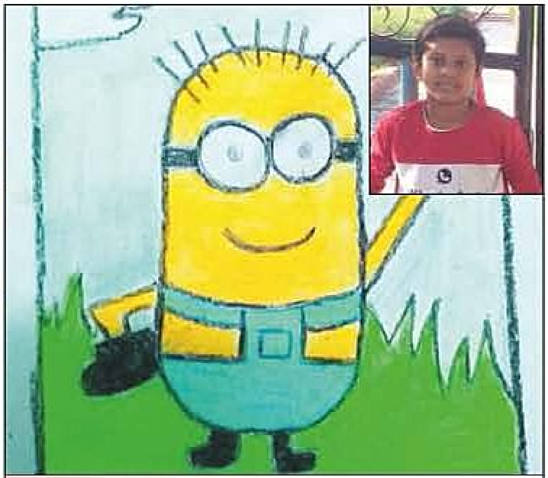

محمد امان انصاری ابن جاوید احمد
حکیمیہ انگلش ہائر سیکنڈری اسکول برہانپوری

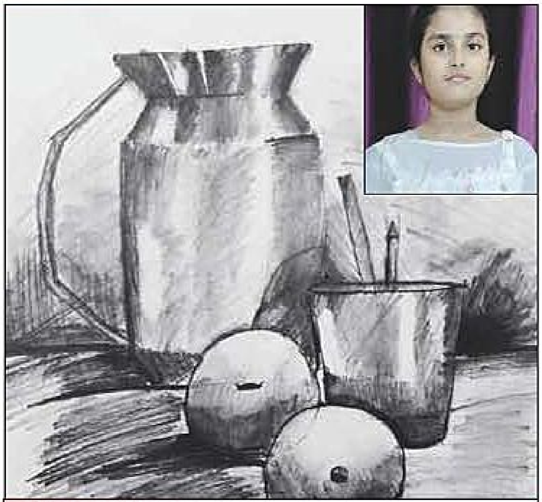

مریم نوشاد، درجہ ہفتم (سی)، دی اسکالر اسکول
ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ 25

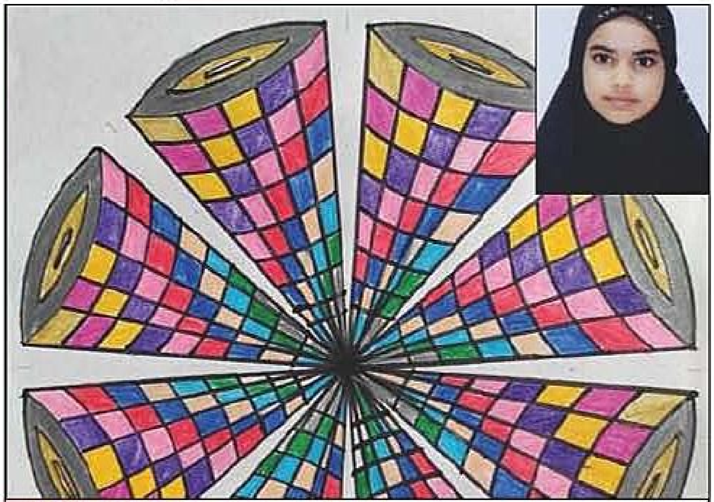

اقرا شمیم الدین، درجہ ششم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول
پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

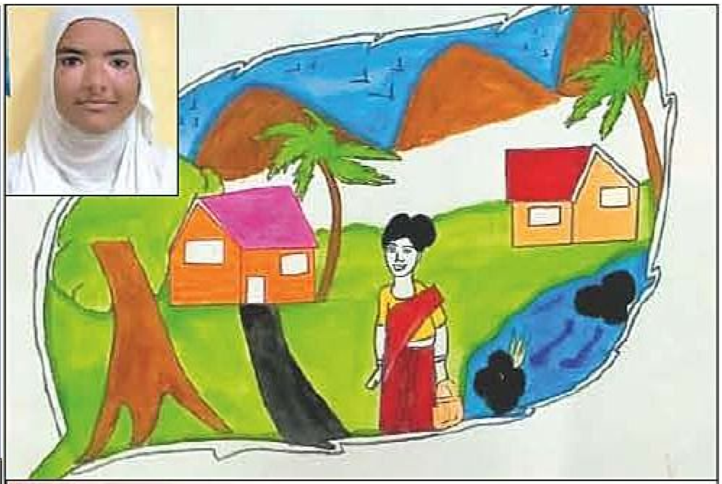

لبیبہ سکندر رنگریز، درجہ نہم (ج)، ملت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

اریب احمد، درجہ چہارم (بی)، دی اسکالر اسکول
ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔25

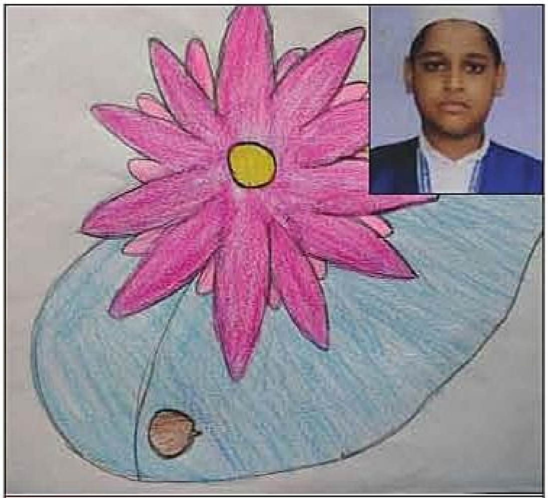

عبدالصمد، درجہ پنجم، ماؤنٹ سینا اکیڈمی گورکھپور، یوپی

ہبا رحمانی، درجہ سوم، ڈی اے وی، ایچ ای ایچ اے ایل، رانچی، جھارکھنڈ

عائشہ فردوس محمد عادل، درجہ دوازدہم
گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

شیخ ام عمارہ عقیل احمد درجہ ہشتم (ب)، اقرا شاہین
اردو ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

شفا تنظیم خان درجہ ہفتم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول
پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

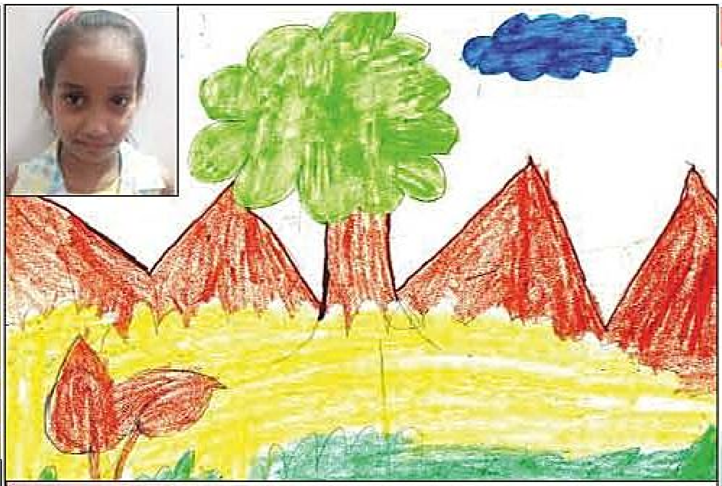

عاکفہ رحمان محمد حفظ الرحمٰن، درجہ سوم، گرین ٹری اسکول، شاہین باغ، نئی دہلی

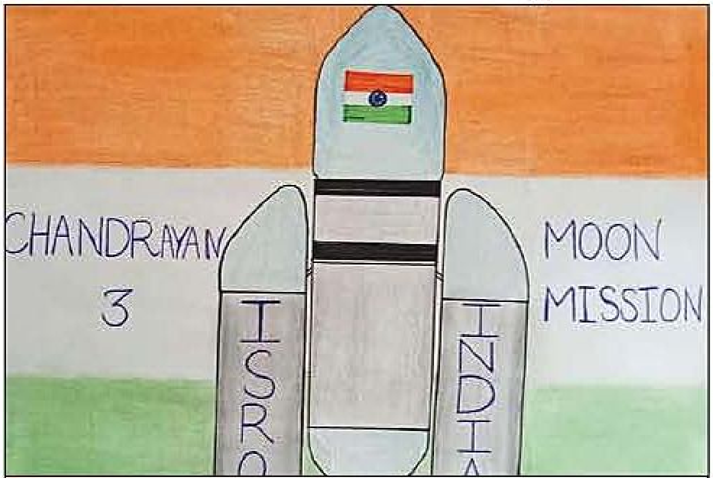

آفرین انصاری عبدالستار، درجہ یازدہم، گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

عارج نوشین شجاع، درجہ ہشتم
حاجی حاشم حسین ماڈل اسکول، دھولے، مہاراشٹر

علیزا خان، درجہ سوم، سینٹ انتھونی، چرچ اسکول، بنگلور، کرناٹک

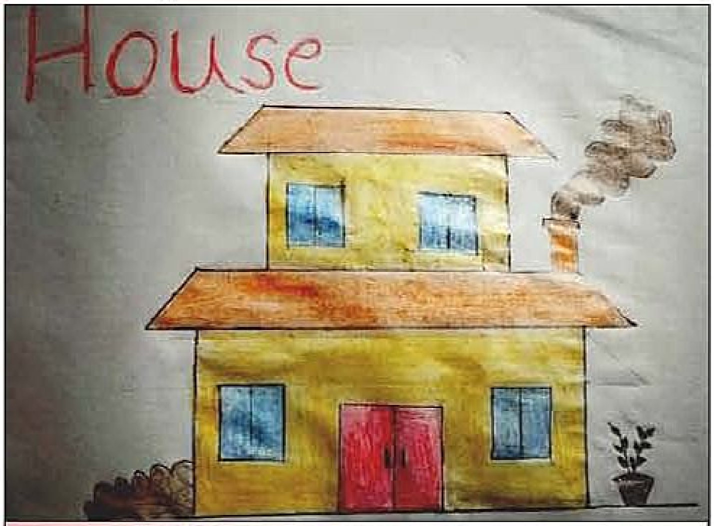

حریم انجم، درجہ اوّل، ہیون اسٹار، چلڈرین اسکول، مئو، یوپی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, नवंबर 2023, वर्ष 11, अंक 11
BACHON KI DUNIYA Monthly, November 2023 Vol. 11, Issue: 11
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/10/2023
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

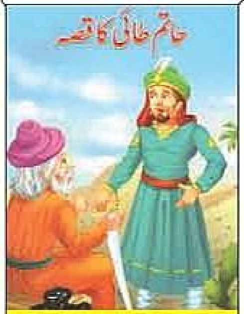

صفحات: 86، قیمت: 30 روپے

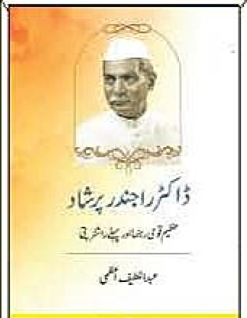

صفحات: 32، قیمت: 15 روپے

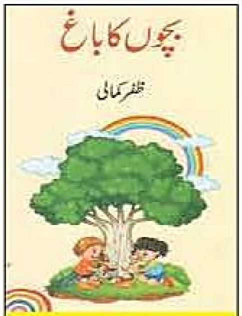

صفحات: 50، قیمت: 20 روپے

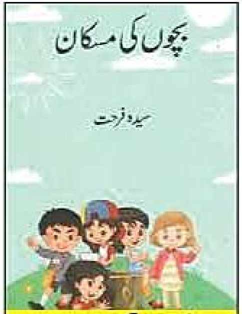

صفحات: 64، قیمت: 25 روپے

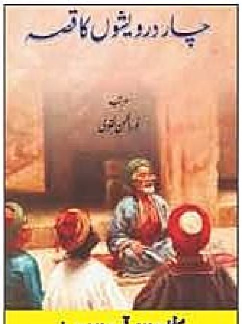

صفحات: 90، قیمت: 30 روپے

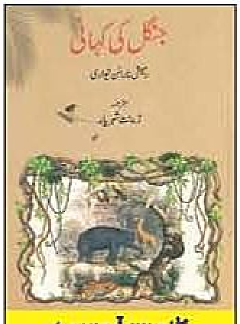

صفحات: 118، قیمت: 30 روپے

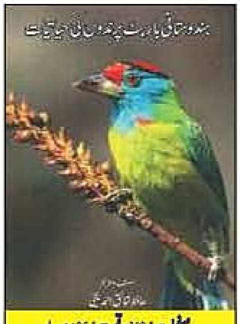
صفحات: 108، قیمت: 95 روپے

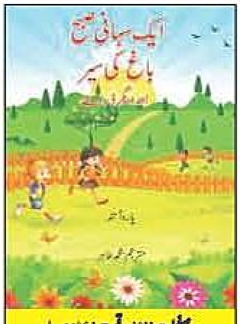

صفحات: 101، قیمت: 35 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Dhananjay Singh, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6